اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

ستمبر ۲۰۱۲ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

سارے دینی مسالک کے متحدہ پلیٹ فارم ملی مجلس شرعی کی متفقہ قرارداد

توہین رسالت کی پرزور مذمت

جوش کے ساتھ ہوش کی ضرورت

حکومت پاکستان نے توہین رسالت کی حالیہ واردات کی مذمت کے لیے جمعہ کو یوم عشق رسول ﷺ قرار دینے کا احسن اقدام کیا ہے لیکن اتنا کافی نہیں ہے۔ ہم اس سلسلہ میں پاکستانی عوام اور حکومت کی توجہ درج ذیل امور کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں:

۱۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام مسلمان مسلکی، سیاسی اور دینی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر اپنے اپنے جماعتی اور گروہی مظاہرے کرنے کی بجائے باہم متحد ہو کر پر امن احتجاج کریں کیونکہ ناموس رسالت پوری امت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ مظاہرین شہری وقومی املاک کو نقصان نہ پہنچائیں۔ زیادہ مستحسن ہے کہ دنیا بھر میں بسنے والے دوارب سے زائد مسلمان متحد ہو کر اپنے اپنے ممالک میں ایک ہی دن بھرپور احتجاجی مظاہرہ کریں۔

۲۔ ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ توہین رسالت کے ان مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے سخت قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے۔ اگر امریکی قانون اظہار رائے کی آزادی کا غلام بن چکا ہے تو مجرموں کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے حوالے کر دیا جائے یا امریکہ انہیں ہماری تفتیشی ایجنسیوں کے حوالے کرے جہاں ان کے خلاف مقدمات درج ہو چکے ہیں۔ پاکستانی عدالتوں کو بھی اس سلسلے میں فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔

۳۔ ہم اقوام متحدہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جنرل اسمبلی کے اجلاس میں توہین انبیاء کے خلاف مذمتی قرارداد منظور کرے اور اس قانون کو عالمی درجہ دلانے کے لیے زیر التوا قرارداد کو سرد خانے سے نکال کر عالمی ڈیکلریشن یا کنونشن کی منظوری حاصل کرے۔ ہم تمام مسلمان حکمرانوں سے بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ اقوام متحدہ میں اس قرارداد کی غیر مشروط حمایت کریں اور اسے منظور کرائیں۔ او آئی سی کو فعال بنائیں اور اس کا فوری اجلاس طلب کریں۔

۴۔ مغرب یہ جنگ میڈیا کی سطح پر لڑ رہا ہے لہذا ہم مسلمان پروفیشنلز سے درخواست کرتے ہیں کہ اسلام کے پیغام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کے لیے اسلامی اور عصری

تقاضوں کے پیش نظر معیاری پروگرام اور فلمیں تیار کریں نیز فیس بک اور یوٹیوب کے مقابلے میں مسلمان سوشل میڈیا کے اپنے مضبوط اور موثر ادارے قائم کریں۔

۵۔　مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن وسنت اور سیرت النبی ﷺ کا گہرا مطالعہ کریں۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے کا عزم کریں نیز وہ سیاسی، معاشی اور دفاعی لحاظ سے خود کو مضبوط بنائیں اور مسلم واسلام دشمن مغربی فکر وتہذیب کو رد کردیں تاکہ وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوسکیں۔

(مولانا مفتی محمد خان قادری)
صدر مجلس 0321-9494173

(مولانا ڈاکٹر محمد امین)
جنرل سیکرٹری 0300-4354673

واراکین: مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالرؤف فاروقی، مولانا حافظ فضل الرحیم، مولانا محمد خلیل الرحمن قادری، مولانا قاری زوار بہادر، علامہ احمد علی قصوری، مولانا راغب حسین نعیمی، مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی، مولانا مفتی عبید اللہ عفیف، مولانا شفیق پسروری، مولانا شیخ محمد یعقوب، مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی، مولانا حافظ عاکف سعید، مولانا عبدالمالک، ڈاکٹر فرید احمد پراچہ، علامہ نیاز حسین نقوی، علامہ ڈاکٹر محمد حسین اکبر، علامہ جواد نقوی۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق مستی میں وہی اول، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

توھینِ رسالت ڈاکٹر محمد امین

توہینِ رسالت کے خلاف مسلم ردّ عمل

مؤثر احتجاج اور دور رس اقدامات کی ضرورت

اس حقیقت سے ہر مسلمان اور ہر پاکستانی واقف ہے کہ امریکہ اور یورپ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں اگرچہ ہم مغرب کی طاقت سے خوفزدہ ہوکر، اس کی غالب فکر وتہذیب سے مرعوب ہوکر، اس کی زبردست پروپیگنڈا مشینری سے متاثر ہوکر، بین الاقوامی سطح کے سیاسی پلیٹ فارموں پر 'ڈپلومیٹک' (یعنی منافقانہ) انداز اختیار کرتے ہوئے اور گلوبلائیزیشن اور مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان مکالمے کے علمی پلیٹ فارموں پر معروضی انداز اختیار کرنے کے زعم میں بالعموم اس کا اظہار نہیں کرتے یا نہیں کر پاتے۔ اور یہ بات آج کی نہیں صدیوں پرانی ہے بلکہ مغربی تہذیب کا خمار اٹھا ہی اسلام اور مسلمان دشمنی پر ہے جب ۱۴۵۳ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرلیا اور مشرقی رومن کیتھولک ہیڈکوارٹر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا تو وہاں سے نکلنے والے عیسائی پادریوں نے سارے یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریروں سے آگ لگادی اور اس سے یورپ کی نشأۃ ثانیہ نے تحریک پکڑی۔ متحدہ یورپ کی طرف سے شروع کردہ صلیبی جنگیں بھی اسی کا مظہر تھیں اور یہ بھی اسی کا شاخسانہ تھا کہ یورپ نے مسلمانوں کو باہم لڑانے کے لئے سازشیں کیں اور انہیں کمزور کرکے اپنی برتر فوجی قوت سے انہیں بہیمیت سے کچلا اور ان کے ملکوں پر قبضہ کرلیا۔ پھر مسلم تہذیب کی ایک ہزار سالہ خوشحالی سے جمع کردہ مسلمانوں کی دولت اور مادی وسائل کو بے دردی سے لوٹا اور ان سے سائنس وٹیکنالوجی کو ترقی دے کر اپنے رخساروں کی لالی میں اضافہ کیا۔ وسط بیسویں صدی میں باہم دو عظیم جنگوں سے جب یورپ کمزور ہوگیا تو اسے مجبوراً مسلم ملکوں کو آزادی دینا پڑی۔ اس ادھوری اور نام نہاد آزادی کے بعد بھی امریکہ و یورپ کی مسلمان ملکوں کے خلاف پُر امن سازشیں اور پلاننگ جاری رہی اور وہ انہیں سیاسی، معاشی، دفاعی، تعلیمی غرض ہر لحاظ سے پیچھے رکھنے کے لئے کامیاب کوششیں کرتے رہے۔ ان سازشوں کے باوجود جب چند مسلم ممالک بطور استثنٰی کچھ بہتر حالت میں آگئے (جیسے پاکستان ایٹمی طاقت بن گیا، ملائشیا اقتصادی طور پر اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا، عراق دفاعی طور پر مضبوط ہوگیا، افغانستان نے حقیقی اسلامی حکومت قائم کرلی) تو امریکہ نے یورپ کو ساتھ ملاکر حیلے بہانے سے پہلے عراق کو برباد کیا، پھر افغانستان کو تہہ وبالا کیا اور اب پاکستان پر حملے ہورہے ہیں اور ایران پر بھی مستقل دباؤ جاری ہے۔

اس ساری صورت حال کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے سوائے اس کے کہ امریکہ و یورپ اسلام کے بدخواہ اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ 9/11 کا واقعہ سی آئی اے اور موساد کی ایک وسیع الاطراف سازش تھی جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک پر حملہ کر دیا جائے۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ مغربی رائے عامہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کر دیا جائے تاکہ اہل مغرب ان مسلمانوں سے اور ان کے دین سے نفرت کرنے لگیں جو وہاں مقیم ہیں اور یوں انہیں اسلام اور مسلمانوں سے دور رکھا جا سکے تاکہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔ اس مہم کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے کم نظر ادیبوں، صحافیوں اور دانشوروں نے اسلام اور مسلم دشمن کاروائیاں شروع کر دیں۔ نبی کریم ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی اور آپؐ کی سیرت کو بگاڑ کر پیش کرنے کا کام تو وہ صدیوں سے کرتے آرہے تھے اب تازہ حالات میں انہیں نئی کمک ملی تو وہ پیغمبر اسلام (ﷺ) کے اخبارات وانٹرنیٹ پر کارٹون بنانے لگے، فلمیں بنانے اور مضامین لکھنے لگے اور یوں مسلمانوں کو مشتعل کر کے اور ان کا مذاق اڑا کر اپنے خبثِ باطن کو تسکین دینے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ مغربی حکومتوں نے اپنے اسلام دشمن اقدامات الگ جاری رکھے جیسے فرانس اور جرمنی میں حجاب پر پابندی اور سوئٹزرلینڈ میں مسجد کے میناروں پر پابندی۔۔۔وغیرہ۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان اس صورت حال سے کس طرح مؤثر طریقے سے نمٹ سکتے ہیں کہ اہل مغرب اپنی متعصّبانہ حرکتوں سے باز آجائیں اور انہیں احساس ہو جائے کہ وہ غلط کر رہے ہیں اور ان کے اس اقدام سے کروڑوں مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے ہیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ہم عرض کریں گے کہ مسلمان اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کا جواب دینے کے لئے دو طرح کے اقدامات کر سکتے ہیں: ایک فوری نوعیت کے اقدامات اور دوسرے دیرپا اور دور رس اثرات رکھنے والے اقدامات۔

فوری اقدام کے طور پر جو احتجاج کیا جائے اس کے خدوخال یہ ہونے چاہئیں:

۱۔ عوامی احتجاج، جس میں تین خصوصیات ہوں:

اس میں لاکھوں افراد شریک ہوں، یہ پُرامن ہو اور یہ عالمی سطح کا ہو۔

۲۔ حکومتی سطح پر احتجاج

عوامی احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے جواب میں بھرپور عوامی احتجاج ہونا چاہیے لیکن اس احتجاج کے مؤثر ہونے کی کچھ شرائط ہیں:

۱۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدام پر احتجاج کرتے ہوئے عوامی سطح پر بڑے بڑے اور پُر امن مظاہرے ہونے چاہئیں جن میں لاکھوں افراد شریک ہوں اور جن کی قومی اور بین الاقوامی سطح پر پبلسٹی کا بھرپور انتظام ہو۔ پاکستان میں اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ سارے دینی عناصر یکجا اور متحد ہو جائیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہر جماعت اور تنظیم اپنی اپنی پارٹی کے جھنڈے اور بینرز اٹھائے ہوئے چند سو کی تعداد میں سڑکوں پر نکلتی ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی ریلیاں ایک طرف عالمی سطح پر (یاد رہے کہ یہ کوئی مقامی مسئلہ نہیں بلکہ بین الاقوامی سطح کا مسئلہ ہے اور ہمیں اس طرح سے احتجاج کرنا ہے جس کے اثرات یورپ و امریکہ تک پہنچیں) کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑتیں (اگرچہ نہ ہونے سے بہر حال بہتر ہیں لیکن یورپ و امریکہ میں دیکھئے کہ مثلاً عراق پر امریکی حملے کے خلاف وہاں لاکھوں افراد کے مظاہرے ہوئے) دوسری طرف یہ ہمارا پول کھولتی ہیں کہ ہم اپنے نبی مکرم (ﷺ) کی ناموس کے لئے بھی متحد نہیں ہو سکتے اور ہر چھوٹی بڑی جماعت کو اپنا تشخص اور اپنا نام اتنا عزیز ہے (یعنی ناموس رسالت سے بڑھ کر عزیز ہے) کہ وہ اس مقصد کے لئے بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

اس مقصد کے حصول کے لئے اولاً تو یہ ضروری ہے کہ ساری قوم اور ساری تنظیمیں/ جماعتیں/تحریکیں اور ادارے مل کر اس مقصد سے ایک تنظیم بنا لیں اور اس مقصد سے بنائی گئی موجودہ تنظیمیں باہم مدغم ہو کر ایک بڑی تنظیم بن جائیں یا کم از کم وہ اشتراکِ عمل ہی کر لیں۔ لیکن اگر ہم یہ نہیں کرتے تو اس کا کیا مطلب لیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ ہمیں ناموس رسالت کے مقابلے میں اپنی تنظیم، جماعت اور اپنے مسلک کا تشخص زیادہ عزیز ہے، العیاذ باللہ۔

ہمیں یاد ہے کہ ماضی میں بعض سیاسی جماعتوں کی دیکھا دیکھی بعض دینی جماعتوں نے بھی اپنی قوت کے اظہار کے لئے ملین مارچ کئے تھے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سوال کا سامنا کرنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنی جماعت کی ساکھ نبی کریم (ﷺ) کی حرمت سے بھی زیادہ عزیز ہے کہ ہم اپنی سیاسی ساکھ کے لیے تو ملین مارچ کا اہتمام کرتے ہیں لیکن اس پیغمبر کی بے حرمتی ہو جس سے محبت ہمارا جزو ایمان ہے تو اس کے لیے ہم چند سو افراد کی ریلی نکال کر مطمئن ہو جائیں؟ ہم تو کہتے ہیں کہ اس کے لئے ساری قوم کو متحد ہو کر نکلنا چاہئے جس طرح کہ ماضی میں شان اسلام کا جلوس نکلا تھا۔

۲۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ احتجاج پُر امن ہو۔ ٹریفک کے اشارے توڑنا، گاڑیوں پر پتھراؤ کرنا، دکانوں، بنکوں اور اقوام متحدہ و مغربی ممالک سے متعلق دیگر عمارات کو آگ لگانا یا متعلقہ ممالک کے پرچم یا پتلے جلانا۔ جیسے اقدامات احمقانہ ہیں کیوں کہ ہم ان سے نہ صرف اپنا مالی نقصان کرتے ہیں بلکہ اہل مغرب کو یہ پیغام بھی دیتے ہیں کہ ہم واقعی تشدد پسند ہیں۔ پھر ہر صاحب نظر جانتا ہے کہ عوامی تحریکیں اسی

وقت کامیاب ہوتی ہیں جب وہ پُرامن ہوں۔ جوتحریک تشدد پر اتر آئے وہ ناکام ہوجاتی ہے کیونکہ ریاست کو اسے کچلنے کا بہانہ مل جاتا ہے۔ پاکستان میں حال ہی میں کامیاب ہونے والی وکلاءتحریک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

۳۔ اہل مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف احتجاج مقامی یا ملکی سطح کا نہیں بلکہ عالمی سطح کا ہونا چاہئے۔ یہ عالم اسلام کے ہر ملک میں ہونا چاہیے اور ان ملکوں میں بھی ہونا چاہیے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کیونکہ ایک مسلمان جہاں بھی ہو جب اس کے رسول مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی توہین ہوگی تو اس کا دل دکھے گا۔ کسی ایک یا دو ملکوں میں احتجاج ہونا بے معنی بھی ہے اور بے تکا بھی جسے غیر مسلم دنیا نہیں سمجھ سکے گی کیونکہ اگر مسلمانوں کے پیغمبر کی توہین ہوئی ہو تو یہ ہر مسلمان کا اور ہر مسلمان ملک کا مسئلہ ہونا چاہئے نہ کہ محض کسی ایک یا دو ملکوں کا۔ مثلاً حال ہی میں فیس بک پر کارٹون بنانے کے مقابلے کا اعلان ہوا تو احتجاج صرف پاکستان میں ہوا یا تھوڑا بہت بنگلہ دیش میں، عالمی سطح پر یہ احتجاج بہرحال اپنے اثرات کے حوالے سے زیادہ مؤثر ثابت نہ ہوا کیونکہ دوسرے مسلم ممالک اس میں شریک ہی نہیں ہوئے۔ بلکہ اس سے پاکستان کے بارے میں یہ تاثر لازماً دنیا تک پہنچا ہوگا کہ یہاں کے عوام دوسروں سے زیادہ جذباتی اور انتہا پسند ہیں۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ عالم اسلام میں عوامی سطح پر رابطے اور تعاون کی جو دو تنظیمیں تھیں وہ دونوں غیر فعال ہوچکی ہیں۔ ہماری مراد مؤتمر عالم اسلامی اور رابطہ عالم اسلامی سے ہے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں رہا کہ وہ ایک نئی تنظیم بنائیں۔ اس کی فطری صورت تو یہی ہے کہ پہلے پاکستان میں ایک ایسی تحریک حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بنے جس میں یہاں کے سارے دینی اور شہری عناصر شریک ہوں۔ پھر یہ تحریک دوسرے مسلم ممالک کی دینی تحریکوں اور اسلامی عناصر سے رابطہ کرے اور اس طرح ہر مسلمان ملک میں ایک تحریک حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وجود میں آجائے۔ پھر ان ساری حرمت تحریکوں کا ایک ہیڈ آفس بنا دیا جائے۔ اس طرح سارے مسلم ممالک کی تحریک ہائے حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایک نیٹ ورک وجود میں آجائے۔ اس نیٹ ورک کو ان ممالک میں بھی پھیلا دیا جائے جہاں مسلمان بڑی اقلیتوں کی صورت میں ہیں۔ یہ نیٹ ورک اگر بن جائے اور ایک عالمی تحریک حرمت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وجود میں آجائے جس کی ایک کال پر ساری دنیا میں توہین رسالت کے خلاف احتجاج منظم ہوجائے تو پھر یہ احتجاج ان شاءاللہ مؤثر بھی ہوگا۔

حکومتی سطح پر احتجاج

مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے خلاف صرف عوامی سطح پر احتجاج کافی نہیں بلکہ مسلم حکومتوں

کو بھی اس پر احتجاج کرنا چاہیے۔ مسلمان حکومتوں کی تنظیم او آئی سی کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے حالات میں فوراً حرکت میں آئے اور اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں یہ مسئلہ اٹھائے۔ سلامتی کونسل کا ہنگامی اجلاس بلوائے اور اس سے پہلے دباؤ بڑھانے کے لئے عالم اسلام کے سربراہوں کا ہنگامی اجلاس بلائے۔ اصولاً تو یہ سب ہونا چاہئے لیکن عملاً ایسا ہوتا نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ او آئی سی غیر فعال ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ گہری نیند میں ہے۔ اس کا سبب بھی ہم سب کو معلوم ہے کہ سعودی عرب، پاکستان اور دوسرے بہت سے اسلامی ملکوں کے حکمران امریکہ و یورپ کے لے پالک اور گماشتے ہیں۔ ان کی حیثیت غلاموں کی سی ہے جو اپنے مالک کی مرضی کے خلاف گردن بھی نہیں ہلا سکتے۔ اس غلامی نے انہیں دینی حوالے سے بھی بے حمیت بنا دیا ہے یہاں تک کہ وہ جس نبی (ﷺ) کا کلمہ پڑھتے ہیں اس کی توہین پر بھی امریکہ و یورپ سے شکایت نہیں کر سکتے۔ اسی ذہنی و سیاسی غلامی کا یہ بھی شاخسانہ ہے کہ اقوام متحدہ میں دنیا کے دو ارب مسلمانوں کی اور ان کی نمائندہ تنظیم او آئی سی کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہاں تک کہ وہ سلامتی کونسل کے رکن بھی نہیں۔ ان حالات میں اب اس کا کوئی حل نہیں سوائے اس کے کہ ان مسلمان ملکوں کی دینی جماعتیں اور تنظیمیں متحد ہو کر اور بڑے بڑے مظاہرے کرتے ہوئے اپنی اپنی حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ وہ متعلقہ مغربی ممالک سے اور اقوام متحدہ سے رسمی طور پر اور سرکاری سطح پر شدید احتجاج کریں۔

امت کے اہل فکر و تدبر اور دانشوروں کو اس پر بھی سوچنا چاہئے کہ مسلم امت میں عوام اور ان کے حکمرانوں میں بُعد کو کیسے ختم کیا جائے اور مسلم عوام اور حکمرانوں کو مغرب کی ذہنی، فکری، سیاسی اور معاشی غلامی سے کیسے نجات دلائی جائے؟ اس غرض سے مسلم امہ کو اپنے ہاں تحقیقی ادارے اور تھنک ٹینک قائم کرنے چاہئیں تاکہ امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے اور سر اٹھا کر جینے کی حکمت عملی پر بحث و تحقیق اور منصوبہ بندی کا آغاز ہو سکے اور اس کے لئے ٹھوس لائحہ عمل تیار کیا جا سکے۔

دور رس اقدامات

یہ تھے وہ چند اقدامات جو ہماری رائے میں مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے کسی اقدام کے نتیجے میں مسلمانوں کو فوراً روبہ عمل لانے چاہئیں۔ اب آیئے اُن دور رس اقدامات کی طرف جو مسلمانوں کو ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر اور منصوبہ بندی سے کرنے چاہئیں تاکہ مستقبل میں اس قسم کے واقعات کی حوصلہ شکنی ہو سکے۔ اس غرض سے مسلمانوں کو اہل مغرب کی دشمنی کے پیچھے پوشیدہ اُن غیر اعلانیہ اور غیر تحریری مقاصد و اہداف کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے جو ہماری طالب علمانہ رائے میں یہ ہیں:

مغربی اہداف

۱۔ مغربی منصوبہ سازوں کی خواہش یہ ہے کہ مغرب میں اسلام کو پھیلنے سے روکا جائے۔اس غرض سے وہ مسلمانوں اوران کے دین وپیغمبر کو دہشت گرداور دہشت گردی کا حامی اور علمبردار ثابت کرنا چاہتے ہیں تا کہ مغربی عوام اسلام اور مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں،اسلام کا ہمدردانہ مطالعہ نہ کر سکیں اور یوں ان کے اسلام قبول کرنے کے مواقع کم ہو جائیں۔

۲۔ مغرب کی طرف سے توہین رسالت کے اقدامات کے جواب میں اگر مسلمان ردعمل کا شکار ہو کر مشتعل ہو جائیں تو انہیں انتہا پسند اور دہشت گرد قرار دیا جائے اوران پر معاشی پابندیاں لگا کران کی اقتصادی حالت کو تباہ کیا جاسکے اوران پر حملے کر کے ان کا سارا ترقیاتی ڈھانچہ تباہ کر دیا جائے تا کہ وہ ترقی کر کے اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں اور اپنی اقدار کے مطابق زندگی نہ گزار سکیں اور مغرب کو ایسے پُر امن اقدامات (مثلاً تعلیم ومیڈیا کے ذریعے) کا مزید موقع مل جائے جن کے ذریعے وہ مسلمانوں کی ذہن سازی کر سکے اوران کے دل ودماغ فتح کر سکے تا کہ مسلمان مغربی فکر وتہذیب کے شائق و پرستار بن جائیں اور فکری وعملی لحاظ سے مغرب کے غلام بنے رہیں اور اسلام کی طرف لوٹنے کے خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔

اہل مغرب کے مقاصد کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی طریق کار کو بھی سمجھنا چاہیے تا کہ ہم ان کا مؤثر تدارک کر سکیں۔اس حوالے سے دو باتیں اہم ہیں:

مغربی طریق کار

۱۔اہل مغرب کی دلیل یا ادعا یہ ہے کہ آزادئ اظہار رائے ہر آدمی کا بنیادی حق ہے لہٰذا ہمارا رویہ تو صحیح ہے اور غلط رویہ خود مسلمانوں کا ہے جو اختلاف رائے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ظاہر ہے ان کا یہ موقف محض کٹ حجتی پر مبنی ہے اور دنیا بھر کے اہل علم وعقل جانتے اور مانتے ہیں کہ دوسرے تصورات کی طرح آزادی بھی کبھی لامحدود نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ بعض قیود واستثناءات سے گھری ہوتی ہے (جیسا کہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں ہوتا ہے اور ٹریفک قوانین سے لے کر پارلیمنٹ میں اہم امور میں قانون سازی تک ہم سب کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے) لہٰذا ایک آدمی کو ایسے اظہار کی آزادی کیسے دی جاسکتی ہے جس سے کسی ایسی شخصیت کی توہین ہو جس سے کروڑوں لوگوں کے دل دکھیں اور انہیں تکلیف پہنچے۔ لہٰذا اہل مغرب کا لامحدود اور مادر پدر آزادی کا تصور عقلی ومنطقی لحاظ سے بھی غیر معقول ہے اور یہ کوئی جینوئن 'حق' نہیں ہے،جس کی حمایت کی جائے۔

۲۔اہل مغرب کی تکنیک اور نفسیاتی حربہ یہ ہے کہ وہ ہمیں دوڑا دوڑا کر اور تھکا کر نڈھال کرنا چاہتا

ہے۔اس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اس امت کی بقاء اور اتحاد کا ایک بڑا سبب محبت رسول ﷺ ہے تو اب وہ وقفے وقفے سے توہین رسالت کرتا رہتا ہے تاکہ مسلمانوں کے اندر سے محبت رسول کا بخار بتدریج اتر جائے۔پہلی دفعہ مسلم دنیا کا ردعمل بہت شدید تھا۔سارے عالم اسلام میں ہنگامے ہوئے،متعلقہ ملکوں کے معاشی بائیکاٹ کی تحریک چلی اور بہت سے لوگ شہید ہوئے۔پھر بعد کے مواقع پر ردعمل کم ہونا شروع ہوا۔اب کے صرف چند مسلم ممالک نے فیس بک پر پابندی لگائی اور باقی مسلم ممالک سوئے پڑے رہے۔حکومتی سطح پر ردعمل بھی ڈھیلا ڈھالا اور برائے نام ہے۔نہ اقوام متحدہ میں احتجاج ہوا، نہ او آئی سی کا ہنگامی اجلاس ہوا۔خود پاکستان کے اندر پچھلی دفعہ احتجاجی مظاہرے اور جلوس ہزاروں افراد پر مشتمل ہوتے تھے اب دو چار سو افراد کی ریلیاں نکلتی ہیں۔اس طرح کے واقعات اگر خوانخواستہ وقتاً فوقتاً جاری رہے تو ایک وقت آئے گا کہ یہ معمول بن جائیں گے اور ہمارا ردعمل بتدریج ختم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ بعض دینی رہنماؤں کے اخباری بیانات تک محدود رہ جائے گا۔

مسلم ردّعمل

اہل مغرب کے ان مقاصد اور طریق کار کے جواب میں ہمارا دوررس ردعمل کیا ہونا چاہئے؟اس ضمن میں چند تجاویز درج ذیل ہیں:

۱۔ ابلاغی وفکری مزاحمت

مغرب کے اس طرح کے حملے کی بھرپور مزاحمت کی جائے خصوصاً الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر۔بدقسمتی سے اس وقت حالت یہ ہے کہ مسلمان ابلاغ عامہ اور پروپیگنڈے کے میدان میں اہل مغرب سے بہت پیچھے ہیں۔اول تو ان کے پاس طاقتور میڈیا نہیں اور جو برا بھلا ہے وہ زیادہ تر ان افراد کے ہاتھ میں ہے جو فکری اور تہذیبی طور پر مغرب سے مرعوب ومتاثر بلکہ ان کے نقال اور گماشتے ہیں ان سے کیا توقع کی جائے کہ وہ مغرب کا بھرپور جواب دیں گے اور دینی حمیت کا ثبوت دیں گے؟

دینی چینل اوّل تو ہیں نہیں اور جو ہیں وہ فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہیں۔لہٰذا ایسے چینلز کی ضرورت ہے جو اسلام کے ہوں کسی خاص فرقے یا مسلک کے نہ ہوں۔یہ بھی ضروری ہے کہ علمی حوالے سے ہمارا رویہ مدافعانہ کی بجائے جارحانہ ہو اور ہم حکمت وتدبر کے ساتھ ان کو منہ توڑ جواب دیں اور ان کے خبث باطن کو دنیا پر عیاں کریں۔اس کے ساتھ ہی ہمیں تعلیم،معیشت،معاشرت،سیاست غرض سارے شعبہ ہائے حیات میں ان کی فکری اور تہذیبی مزاحمت کرنی چاہیے اور اس کا مؤثر اظہار بھی میڈیا کے ذریعے ہونا چاہیے۔

۲۔ دعوت کے مواقع

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کے ابلاغی و عسکری حملوں کو وہاں کے سارے عوام کی حمایت حاصل نہیں ہے یہ بعض متعصب حکمرانوں، دانشوروں، صہیونیوں اور شدت پسند عیسائیوں کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور مغربی حملوں اور مسلم ممالک میں اس کے ردعمل کے نتیجے میں مغربی عوام میں حقائق جاننے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح، مصدقہ اور براہ راست (فرسٹ ہینڈ) معلومات حاصل کرنے کی ایک طلب ابھر آئی ہے۔ اب یہ مسلمان حکمرانوں، دانشوروں اور علماء کرام کا کام ہے کہ وہ ان کے سامنے اسلام کی اصل حقیقت اور اس کا اصل چہرہ خصوصاً قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی پاک ﷺ کی سیرت مؤثر انداز میں تحریر و تقریر کے ذریعے پیش کریں۔ اگر مسلمان دعوت کے اس سنہری موقع کو ضائع نہ کریں تو وہ مغربی عوام میں سے بہت سوں کے دل و دماغ جیت سکتے ہیں اور اس کے لئے توپ و تفنگ کی نہیں، حکمت و تدبر، خاموشی اور سمجھ داری کے ساتھ پلاننگ اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔

۳۔ معاشی بائیکاٹ

مادہ پرست مغرب اگر روحانی اقدار کی اہمیت کو نہیں سمجھتا تو مادی مفادات اور اقدار کی تو اسے خوب سمجھ ہے لہٰذا اسے اسی اسلوب میں جواب دینا چاہیے جسے وہ سمجھ سکے۔ مسلمان اگرچہ معاشی لحاظ سے کمزور ہیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ بحیثیت امت متحد ہو جائیں اور اس ملک کا معاشی مقاطعہ کر دیں اور متعلقہ ملک کے ساتھ برآمدی و درآمدی تجارت ختم کر دیں تو اس کا خاطر خواہ اثر پڑے گا لیکن یہ حربہ اسی وقت مؤثر ہو سکتا ہے جب امت حقیقی طور پر متحد ہو اور جذبۂ شجاعت اور ایثار و قربانی سے کام لے اور دباؤ میں نہ آئے جیسا کہ شاہ فیصل مرحوم نے تیل کی برآمد پر پابندی لگا کر دکھادی تھی۔

۴۔ بین الاقوامی قانون سازی

مسلم امت اگر متحد ہو جائے تو آسانی سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے ایسا ریزولیوشن منظور کروایا جا سکتا ہے اور ڈیکلریشن/کنونشن کی منظوری حاصل کی جا سکتی ہے کہ کسی بھی مذہب یا تہذیب کے ان رہنماؤں اور مقدس کتب کی توہین جرم تصور ہو گی جنہیں کروڑوں افراد محترم و مقدس گردانتے ہوں۔ اس حوالے سے اقوام متحدہ کے بنیادی حقوق کے چارٹر میں بھی ترمیم ہونی چاہیے اور اس اصول کی خلاف ورزی کو عالمی عدالت انصاف میں چیلنج کرنے کی راہ بھی ہموار ہونی چاہیے۔ سلامتی کونسل میں ۲ ارب مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے کم از کم ایک سیٹ کا مطالبہ ۵۷ مسلم ممالک کی طرف سے مشترکہ طور پر آنا چاہیے۔

۵۔ فروغ اتحاد

مسلم دانشوروں، رہنماؤں اور علماء کرام کو اس طرح کے مواقع کو امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے کا وسیلہ اور نادر موقع سمجھ کر استعمال کرنا چاہئے۔ مسلمانوں میں باہم بہت سے اختلافات ہو سکتے ہیں اور ہیں لیکن نبی مکرم (ﷺ) کی حرمت و تقدس کے حوالے سے ان میں بہر حال کوئی اختلاف نہیں اور آپ ﷺ کی محبت سب مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے لہٰذا محبت رسول کو مسلمانوں میں بنائے اتحاد بنا کر اس اتحاد کو مزید مضبوط کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں اور فرقہ وارانہ اختلافات، تعصّبات اور انتشار کو ہوا دینے والے اقدامات کے خلاف مؤثر لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے۔

۶۔ مغربی فکر و تہذیب کا رد

مسلمانوں کا اس وقت حقیقی اور بڑا مسئلہ مغربی فکر سے مرعوبیت کے خاتمے اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات کا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ حرمت رسول کی تحریک چلانے والے رہنما اور علماء کرام تدبر و حکمت سے اس تحریک کا رخ مغرب کی ملحدانہ فکر اور تہذیبی مظاہر سے تنفر کی طرف موڑ دیں مثلاً مغربی لباس کیوں پہنا جائے؟ سکول انگلش میڈیم کیوں ہوں؟ تعلیم مخلوط کیوں ہو؟۔۔۔۔وغیرہ۔ بعض لوگ سوچتے ہیں کہ اس تحریک کے نتیجے میں مسلمانوں میں امریکہ و یورپ دشمنی کے جذبات میں خود بخود اضافہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ایسا ہو بھی تو یہ کافی نہیں ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہمیں مغرب کی فکری و ذہنی غلامی سے نکلنا ہے۔ اگر ہم امریکہ کے خلاف سیاسی طور پر مردہ باد کے نعرے لگاتے رہیں لیکن ہماری معیشت، معاشرت، تعلیم غرض ہر جگہ مغربی فکر و تہذیب کا غلبہ ہو تو اس مردہ باد کے نعرے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے اس امر پر بہت سنجیدگی سے سوچا جائے کہ آج کے مسلمانوں خصوصاً پڑھے لکھے افراد کو مغرب کی فکری و تہذیبی غلامی سے نکالنے کے لئے اقدامات کی ضرورت ہے اور اس حوالے سے حکومتی مدد کے بغیر دینی عناصر کے لئے کام کا وسیع میدان موجود ہے جس کا مرکزی نکتہ یہ ہونا چاہئے کہ مغربی فکر و تہذیب کو رد کر دیا جائے اور اس کی جگہ اسلامی اصول و اقدار کو فروغ دیا جائے۔

۷۔ سیاسی، معاشی اور دفاعی استحکام

اور آخری بات یہ کہ مسلمانوں کو اس امر کا احساس کرنا چاہئے کہ آج ان کے پیغمبر کی توہین اس لئے ہو رہی ہے کہ وہ دنیا میں کمزور و ناتواں ہیں اور بین الاقوامی سطح پر ان کا کوئی وزن اور ان کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہے۔ اگر آج وہ تنکے کی طرح ہلکے نہ ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ ان کے پیغمبر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا احتساب کریں، اپنی کمزوریاں دور کریں اور اسباب ضعف کا خاتمہ کریں۔ اپنے دین کا علم حاصل کریں اور اس سے محکم وابستگی اختیار کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام شریعت پر عمل کریں کہ یہی ان کے لئے منبع قوت ہے اور گہرے ایمان اور

برتر اخلاق کے ساتھ ساتھ علم و تحقیق اور سائنس و ٹیکنالوجی میں بھی متحد ہو کر آگے بڑھیں اور طاقتور بنیں تا کہ دنیا ان کی بھی قدر کرے اور ان رہنماؤں کی بھی جنہیں وہ مقدس سمجھتے اور محترم گردانتے ہیں۔ اگر مسلمان سیاسی' معاشی اور دفاعی لحاظ سے مضبوط ہو جائیں اور مغرب کے محتاج نہ رہیں تو مغرب کی طرف سے ان کے مقدسات کی توہین کا رویہ خود بخود مدہم پڑ جائے گا۔

توہینِ سالت *محمد عاصم حفیظ*

مغرب میں توہینِ رسالت

اسباب و اثرات

ظلم، ناانصافی اور توہین کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور یہی احتجاج شدت پکڑ لیتا ہے جب اس کا تعلق گہرے قلبی اور روحانی تعلق سے ہو۔ حالیہ چند برسوں میں ڈنمارک کے اخبار میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت ہو یا فیس بک اور دیگر ویب سائٹس پر کارٹون مقابلوں کا اعلان، عراق اور گوانتانا موبے میں قرآن پاک کی بے حرمتی ہو یا امریکی پادری ٹیری جونز کی جانب سے قرآن پاک جلائے جلانے کا واقعہ، نبی محترم ﷺ کی ذات اقدس پر کوئی حملہ ہو تو اس کے خلاف مسلم امہ سراپا احتجاج بن جاتی ہے اور اب امریکہ کے ایک یہودی کی بنائی گئی توہین آمیز فلم کے انٹرنیٹ پر جاری ہونے پر ایک مرتبہ پھر دنیا بھر میں شدید احتجاجی مظاہرے اور جلسے جلوس منعقد کیے جا رہے ہیں۔ لیبیا میں امریکی سفیر کو مار دیا گیا۔ اردن، مصر، پاکستان اور دیگر ممالک میں امریکی سفارت خانوں پر حملے ہوئے ہیں جن میں کئی افراد جان کی بازی ہار گئے۔ مسلم ممالک میں امریکی فلم ڈائریکٹر اور پادری ٹیری جونز کے خلاف کاروائی اور سفارتی تعلقات منقطع کرنے کا مطالبہ بھی شدت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ان واقعات پر ہر دل غمگین ہے جبکہ قرآن پاک اور صاحب قرآن ﷺ سے محبت کرنے والی ہر آنکھ فرط جذبات سے لبریز نظر آتی ہے۔ جوشیلے مسلمانوں نے تو ان نازک اور حساس معاملات میں جانوں کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ کرۂ ارض پر کتنے ہی علم دین ریاستی جبر اور استعمار کے ہاتھوں جنت کی راہوں کے مسافر بن رہے ہیں۔ مسلمانوں کا جذبۂ ایمانی نعرہ بن کر عالم کفر کو للکار رہا ہے اور پورا عالم اسلام اس توہینِ رسالت اور توہینِ قرآن کے خلاف جلسے اور جلوسوں کی صورت میں شدید احتجاج کر رہا ہے۔

مسلمانوں کی وحدت کو توڑنے، انہیں مایوسی کی دلدل میں دھکیلنے اور احساس کمتری میں مبتلا کر دینے کے لیے ہر دور میں کوششیں ہوتی رہی ہیں تاہم اسلام پسند قوتیں ہر دور میں ان سازشوں کا مقابلہ کرتی رہی

ہیں۔ عالمی مفادات کے تحت دنیا کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ تو پہلے سے ہی جاری تھا لیکن نائن الیون کے واقعے کے بعد شروع کی جانے والی دہشت گردی کے خلاف جنگ نے اسلام کے خلاف حملوں کو مزید تیز کر دیا ہے۔ صدر بش نے ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر حملے کو کروسیڈ یعنی صلیبی جنگ کا نام دیا تھا اور آج یہ بات مزید واضح ہو چکی ہے کہ اس جنگ کا مقصد القاعدہ کو سزا دینے کی بجائے اسلامی نظریات کو مٹانا تھا۔ یہ جنگ اب مکمل طور پر مذہبی بن چکی ہے کیونکہ اس کے پیچھے 'ہرمجدون' کا انتظار کرنے والے انتہا پسند یہودی اور عیسائی قوتیں سرگرم ہیں۔ مغربی قوتیں نہ صرف اربوں ڈالر کا اسلحہ و بارود استعمال کر کے لاکھوں مسلمانوں کا خون کر چکی ہیں بلکہ ساتھ ساتھ مسلمانوں کی ثقافت، دینی روایات، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن سے تعلق غرض پوری معاشرت کو ہی تبدیل کر دینا چاہتی ہیں۔ اس مقصد کے لئے تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد اسلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے خلاف توہین آمیز اقدامات کیے جاتے ہیں۔ مسلم ممالک کی ثقافت کو تبدیل کرنے کے لئے نام نہاد این جی اوز اور میڈیا کے اداروں کو بھاری فنڈز فراہم کئے گئے ہیں جو آزادیٔ نسواں، ہم جنس پرستوں کے حقوق، آزادیٔ اظہارِ رائے اور فن وثقافت کے نام پر مغربی کلچر کو فروغ دینے میں مصروف ہیں۔ دوسری جانب مغربی ممالک کی پریشانی یہ ہے کہ بھرپور کوشش کے باوجود مسلمانوں کو ان کے دین سے دور نہیں کیا جا سکا۔ ان کے دل سے قرآن کا پیغام اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں نکالی جاسکی۔ مغرب کئی سو سال کے سیاسی غلبے کے باوجود اسلامی نظریے کو ختم نہیں کر سکا اور یہی وہ بنیادی وجہ ہے کہ جس کے باعث آج مسلمان زیرِ عتاب ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور کتاب ہدایت کی توہین کر کے مسلمانوں کو اخلاقی پستی کی طرف دھکیلنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

مغرب میں فروغ اسلام

عالم کفر پریشان ہے کہ اس کی بھرپور کوششوں کے باوجود اسلام مغربی ممالک میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد احیائے اسلام کی تحریکوں کو میسر آ رہے ہیں۔ اسی طرح مغربی یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے بہت سے طالب علم سیکولر معاشروں کی روایات کو اپنانے سے گریز کرتے ہوئے اپنی صلاحیتیں احیائے اسلام کے لیے وقف کر رہے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں کئی مسلمان تنظیمیں انتہائی سرگرمی کے ساتھ اسلام کا پیغام عام کرنے میں مصروف ہیں۔ مغربی ممالک اگرچہ اسلام پر دہشت گردی، بنیاد پرستی اور دقیانوسیت کے الزامات لگاتے رہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی مغربی شخص ایمانداری کے ساتھ تحقیق کرتا ہے تو وہ اسلام کی سچائی کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں بہت سے نامور افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد خواتین کی ہے جو مغربی ممالک کی مادر پدر آزادی اور عورت کو کھلونا سمجھنے کے تصور کی باغی بن کر اسلام کے

نظام عفت و عصمت کو اپنا رہی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ سمیت کئی یورپی ممالک میں اسلامی طرز حیات کو قبول کرنے والے افراد کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری جانب دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفرت نے بھی مسلمانوں کو اپنی شناخت کی طرف لوٹنے کا درس دیا ہے۔ گوانتاناموبے، ابوغریب اور دیگر امریکی جیلوں کی انسانیت سوز داستانوں اور دوسری جانب قرآن اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی توہین کے واقعات نے مسلمانوں کے اندر اپنی دینی روایات سے متعلق تحقیق کرنے، سچ کی تلاش اور دنیا کو حقیقت سے آشنا کرنے کا جذبہ بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ عالم کفر کے گھٹیا پروپیگنڈے کے باوجود اسلام اپنی انسانیت نواز خوبیوں کے باعث روز اوّل سے مسلسل پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ آج دنیا بھر میں دو ارب کے لگ بھگ انسان حلقہ بگوش اسلام ہیں۔ سانحہ نائن الیون کے بعد امریکہ اور یورپ میں قبول اسلام کی شرح فزوں تر ہے بلکہ اسلام یورپی ممالک کا دوسرا سب سے زیادہ وسعت پذیر دین بن چکا ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق نصف صدی کے عرصے میں عیسائیت کے تمام فرقوں اور مسلکوں میں ۱۳۵ فیصد اضافہ ہوا جبکہ اہل اسلام میں اضافہ ناقابل یقین حد تک ۲۴۰ فیصد ہوا ہے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں اسلام سب سے تیزی سے پھیلنے والا دین ہے۔ پیو ریلیجس سنٹر کے سروے کے مطابق ۲۰۳۰ء میں مسلمانوں کی تعداد ۲ ارب ۲۰ کروڑ ہو جائے گی۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کی شرح پیدائش ۱.۸ ہے جو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے کہیں زیادہ ہے۔ نوجوانوں کی عالمی تنظیم الشباب العالمی کی رپورٹ کے مطابق ۴۰ کروڑ سے زائد مسلمان مسلم اکثریتی ممالک سے باہر رہائش پذیر ہیں۔

یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جنگ اسلام کو بدنام کرنے اور مسلمانوں کی طاقت کو تباہ کرنے کے لیے شروع کی تھی لیکن ہوا اس کے برعکس کہ اسلام مغربی ممالک میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ نائن الیون سے قبل امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد ۱۰ لاکھ تھی جو کہ اب ۲۸ لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ ایک اور دلچسپ حقیقت یہ بھی ہے کہ نائن الیون کے بعد امریکیوں میں اسلام کے بارے میں جاننے کے رجحان میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکہ میں قرآن پاک کا ترجمہ شائع کرنے والے ایک ادارے کے اعداد و شمار کے مطابق نائن الیون کے واقعہ کے بعد پہلے تین ماہ میں قرآن پاک کی فروخت میں پندرہ گنا اضافہ دیکھا گیا اور کئی ماہ تک قرآن پاک امریکہ میں بیسٹ سیلر کتاب رہی۔ العربیہ چینل کی رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۱ء میں ۳۴ ہزار امریکیوں نے اسلام قبول کیا۔ نیویارک ٹائمز کی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ امریکہ میں جو مسلمان ہیں ان میں ۲۵ فیصد تعداد ایسے امریکیوں کی ہے جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ہر سال ۵۰ ہزار امریکی مسلمان ہو جاتے ہیں جبکہ برطانیہ میں نو

مسلموں کی شرح ۱۰ فیصد سالانہ کے حساب سے بڑھ رہی ہے۔ برطانیہ میں ۲۰۰۱ء میں مسلمانوں کی تعداد ۱۶ لاکھ تھی جواب ۳۰ لاکھ کے قریب ہے۔ جو ۲۰۳۰ء تک ۶۰ لاکھ ہوجائے گی۔ اسی طرح دیگر یورپی ممالک میں مسلمانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری جانب یورپی ممالک میں موجود مسلمانوں میں مذہبی رجحان تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور یہ لوگ احیائے اسلام کی تحریکوں میں سرگرم کردار ادا کر رہے ہیں۔ بوسنیا اور کوسووکی آزادی کے بعد یورپ میں دو نئے اسلامی ممالک منظر عام پر آئے ہیں۔

فلاحی تنظیموں کا کردار

عرب ممالک اور یورپ میں اسلامی فلاحی تنظیموں کی سرگرمیوں کے بھی کافی مثبت اثرات دیکھے جا رہے ہیں گو کہ اقوام متحدہ دہشت گردوں کی اعانت کے نام پر کئی اسلامی فلاحی تنظیموں پر پابندی لگا چکی ہے تاہم اس کے باوجود عرب ممالک اور یورپ سے تعلق رکھنے والی بعض تنظیمیں فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف ہیں۔ مغربی ممالک میں اسلامی تنظیموں کی مثبت کارکردگی اسلام مخالف پروپیگنڈا کرنے والوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔ پاکستانی مدارس کو دنیا کی سب سے بڑی این جی او کہا جاتا ہے جہاں لاکھوں کی تعداد میں طلبہ بغیر کچھ خرچ کیے تعلیم اور رہائش کی سہولت حاصل کرتے ہیں۔ مدارس کا نظام نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا کے دیگر ممالک بھی کامیابی سے چل رہا ہے اور حال ہی میں بعض اسلامی مدارس نے طلبہ کو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق تعلیم دینے کا بھی آغاز کیا ہے اور ایسے نصاب ہائے تعلیم بھی متعارف کرائے جا رہے ہیں جن کے ذریعے عصری اور دینی علوم کا امتزاج پیش کیا جائے۔ انہی مدارس کے ذریعے تبلیغ اور مساجد کا نظام چلانے کے لیے علماء کی بڑی تعداد تیار ہوتی ہے جو نہ صرف مسلم ممالک بلکہ مغرب اور دوسرے غیر اسلامی ممالک میں بھی خدمات سرانجام دیتی ہے۔

اسی طرح فلسطین میں حماس، مصر میں حکمران الاخوان المسلمون اور النور پارٹی، ترکی کی حکمران جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی عوام میں فلاحی سرگرمیوں کے لیے مشہور ہیں جبکہ سعودی عرب اور کویت کی تنظیموں کی جانب سے بھی افریقہ، یورپ اور ایشیا میں بہت سے فلاحی منصوبے مکمل کیے گئے ہیں۔ اسلامی فلاحی تنظیموں کی کارکردگی سے دنیا بھر میں اسلام کے بارے میں ایک مثبت تاثر پیدا کرنے میں بھی مدد ملی ہے۔ عرب ممالک میں حالیہ تبدیلی کی لہر کے بعد ہر جگہ اسلام پسند قوتیں ابھر کر سامنے آئی ہیں۔

اسلامی بنکاری

معیشت کے میدان میں اسلامی بنکاری کے کامیاب تجربے نے بھی مسلمانوں کو عالمی معیشت میں اصلاحات کا حوصلہ دیا ہے۔ اسلامی اصولوں کے تحت چلنے والے بنکاری نظام نے دنیا میں رائج سرمایہ دارانہ نظام کو کھوکھلا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مالیاتی بحران کے باعث دنیا بھر کے مما لک شرح سود میں کمی کر رہے ہیں جس کے باعث بلاسود بنکاری کے اسلامی تصور کو تقویت ملی ہے۔ امریکی بنکوں کے دیوالیہ ہونے اور ڈالر کے غیر مستحکم ہونے کے باعث عرب مما لک میں سرمایہ اسلامی بنکوں میں رکھنے کے رحجان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں مصر کے ایک قصبے مت غمر سے شروع ہونے والی اسلامی بنکاری آج عالمی سطح پر نمایاں مقام رکھتی ہے۔ دنیا کے ۲۷ مسلمان جبکہ ۱۵ غیر مسلم مما لک میں شرعی اصولوں پر بنکاری کا نظام موجود ہے۔ عالمی سطح پر اسلامی مالیاتی اداروں کے پاس ۱۴ سو ارب ڈالر کے اثاثہ جات موجود ہیں جن میں ۲۰ فیصد سالانہ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔ تیل کی دولت اور مغربی بنکوں میں سرمایہ محفوظ کرنے کے رحجان میں کمی نے اسلامی بنکاری کو مزید اہم بنا دیا ہے۔ اسلامی سکالرز عالمی سطح پر برپا ہونے والے مالیاتی بحران کی بڑی وجہ سود کے سہارے قائم عالمی سرمایہ دارانہ نظام کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی معاشی ماہرین مغربی مما لک میں شرح سود میں کمی کو بنیاد بنا کر بلاسود بنکاری کے قابل عمل ہونے کی دلیل دیتے ہیں۔۔نفع ونقصان کی بنیاد پر کام کرنے والا اسلامی نظام معیشت دن بدن مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی معاشی ماہرین اسلام طرز معیشت کے فروغ سے پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ اسلام کے خلاف اقدامات اور توہین آمیز واقعات کی بڑی وجہ بھی مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ اور اسلامی طرز معاشرت ومعیشت کا فروغ ہے۔

توہین آمیز واقعات کی وجوہات کو سمجھنے کے بعد اب ہم مغربی مما لک میں پیش آنیوالے ان واقعات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کس طرح بعض شر پسند عناصر ایک منصوبہ بندی کے تحت اسلام، نبی اکرم ﷺ اور قرآن پاک کی توہین کر کے دنیا بھر میں اسلام کے فروغ کو روکنے کی کوششوں میں مصروف ہیں ۔ان واقعات کے ذکر کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمان ان مذموم حرکتوں سے آگاہ رہیں اور ان شر پسند حلقوں کی پہچان ہو سکے جو اسلام مخالف سرگرمیوں میں مصروف عمل ہیں۔ جب ہم ان واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ مغربی مما لک کے حکمرانوں سے لے کر مذہبی پیشواؤں تک، عسکری حلقوں سے لے کر ذرائع ابلاغ کے نمائندوں تک، فنکاروں سے لے کر تدریس وادب سے منسلک مصنفوں اور شعرا تک ہر ہر شعبے کے افراد میں اسلام کے خلاف بغض وعناد پایا جاتا ہے۔ اسلام کی توہین کرنے والوں کو بھرپور تحفظ اور مالی معاونت فراہم کی جاتی ہے۔ نام نہاد آزادیٔ اظہار کے نام پر ان کو ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ کچھ ایسا ماحول بنا دیا گیا ہے کہ جسے شہرت کی خواہش ہوتی ہے یا

بہت ساری دولت اکٹھی کرنے کا سودا سر میں سماتا ہے تو وہ اسلام، نبی اکرم ﷺ اور قرآن پاک کی توہین کرکے یہ مقاصد حاصل کرسکتا ہے حتیٰ کہ مغربی دنیا تو مسلم ممالک میں اس قسم کی حرکتیں کرنے والوں کو پناہ دینے میں بھی انتہائی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان گستاخوں کی حفاظت کی خاطر کروڑوں ڈالر خرچ کئے جاتے ہیں۔ سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین سمیت بے شمار گستاخانِ رسول مغربی ممالک میں میزبانی اور سرکاری پروٹوکول کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

۹/۱۱ کے بعد توہینِ رسالت وقرآن

اسلام، قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کی گستاخیوں کے واقعات تو ماضی میں بھی پیش آتے رہے ہیں لیکن نائن الیون کے بعد ان میں نہ صرف تیزی آئی ہے بلکہ یہ مکمل منصوبہ بندی کے تحت رونما ہو رہے ہیں۔ اس لئے ہم سب سے پہلے نائن الیون کے بعد پیش آنے والے واقعات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ امریکی چینل فاکس نیوز پر ۱۸ ستمبر ۲۰۰۲ء کو ایک انتہا پسند مذہبی رہنما جیری فال ویل نے اسلام کے بارے میں گھٹیا زبان استعمال کی۔ اس نے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں بھی ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے۔ اس نے واضح الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ ''دہشت گرد'' قرار دیا۔ جیری فال ویل کے الفاظ اس قدر شرمناک اور گھٹیا تھے کہ برطانوی وزیر خارجہ جیک سٹرا ان کو توہین آمیز قرار دینے پر مجبور ہو گئے۔

اسی دوران امریکی ریاست ہوسٹن میں بالغوں کے لئے مخصوص ایک سینما گھر میں نبی اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی سے متعلق ایک توہین آمیز فلم کی نمائش کی گئی۔ اس فلم کی نمائش کا اخبار ہیوسٹن پریس میں باقاعدہ اشتہار بھی دیا گیا۔ اس موقعے پر امریکہ میں رہائش پذیر مسلمانوں نے بھرپور احتجاج کیا۔ ۲۰۰۲ء جون میں ایران کے ایک استاد نے توہین رسالت کا ارتکاب کیا جس کو گرفتار کرلیا گیا اور نومبر میں اسے سزائے موت دے دی گئی۔

۱۴ دسمبر ۲۰۰۲ء کو روزنامہ امت نے اپنی رپورٹ میں ایک پاکستانی تاجر کے حوالے سے بتایا کہ جاپان کے دارالحکومت ٹوکیو اور دیگر شہریوں میں ایسی شرٹس اور کپڑے فروخت کئے جا رہے ہیں جن پر قرآنی آیات، رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے نام واضح طور پر پرنٹ تھے۔ دسمبر ۲۰۰۲ء میں نائیجیریا کے ایک اخبار 'دس ڈے' نے مقابلۂ حسن کے حوالے سے شائع ہونے والے ایک مضمون میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے۔ اس مضمون کی اشاعت پر نائیجیریا میں فسادات پھوٹ پڑے اور پرتشدد مظاہروں میں دو سو سے زائد افراد جان کی بازی ہار گئے۔

۲۰۰۴ء میں ہالینڈ کے فلمساز تھیون وان گو نے دس منٹ کی دستاویزی فلم تیار کی۔ اس میں بھی نبی

اکرم ﷺ کی ذات اقدس، اسلام کے نظام عفت وعصمت کو تضحیک وتوہین کا نشانہ بنایا گیا۔اس فلم ساز کو نومبر ۲۰۰۰ء میں محمد بیوری نامی ایک مسلم نوجوان نے ایمسٹرڈم میں جہنم واصل کر دیا۔

۲۰۰۵ء میں سویڈن کے شہر گوٹنبرگ کے میوزیم آف ورلڈ کلچر میں ایڈز کے حوالے سے منعقدہ نمائش میں قرآنی آیات پر مشتمل برہنہ پینٹنگ پیش کی گئی جس کو مسلمانوں کے شدید احتجاج کے بعد ہٹا دیا گیا۔ ۲۰۰۵ء میں ایک امریکی ٹی وی شو''تھرٹی ڈیز'' میں دومرتبہ نبی اکرم ﷺ کے خاکے پیش کیے گئے اپریل ۲۰۰۵ء میں سویڈن کے ایک فنکار رونرسوگارڈ نے ایک عوامی اجتماع میں نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں توہین آمیز لطیفے سنائے۔

ستمبر ۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے اخبار جیلنڈر پوسٹن نے نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں بارہ کارٹون شائع کیے۔اس پر دنیا بھر میں مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ یہ خاکے ڈینیل پائپس نامی متعصب امریکی یہودی کے شر پسند ذہن کی اختراع تھے۔اس کے بعد اب تک دوسالوں میں گاہے بگاہے یہ خاکے شائع ہوتے رہے۔دوسری بار فروری ۲۰۰۶ء میں اور تیسری بار اگست ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئے۔ اس گھناؤنی سازش میں صرف ڈنمارک کے چند اخبارات شریک نہیں بلکہ فرانس، جرمنی، ناروے، ہالینڈ اور اٹلی سمیت تمام امریکی ریاستوں کے ذرائع ابلاغ بھی برابر کے شریک تھے۔اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف اس بھیانک سازش میں گستاخانہ خاکوں کے علاوہ خانہ کعبہ اور دیگر اسلامی اَحکام وشعائر کی توہین بھی کی گئی۔ان خاکوں کی اشاعت کے دو بنیادی کردار ہیں: پہلا ڈینیل پائپس نامی امریکی یہودی جو سابق صدر بش کے ساتھ گہرے سیاسی وتجارتی مراسم رکھتا تھا۔دوسرا اہم کردار جیلانڈ پوسٹن (یہودی کلچر) نامی اخبار کا ایڈیٹر فلیمنگ روز تھا۔مسلمانوں کے خلاف یہ منظم سازش عیسائیوں اور یہودیوں کی ملی بھگت کا نتیجہ ہے۔مجموعی طور پر ۱۲ بدبخت کارٹونسٹ اس مذموم حرکت کے لئے آمادہ ہوئے اور ان میں سے ویسٹر گارڈ نامی ملعون کارٹونسٹ نے توہین آمیز خاکے تیار کئے۔

فروری ۲۰۰۶ء میں جرمنی کے ایک خبطی شخص مینفر ڈوین نے ٹوائلٹ پیپرز پر ''قرآن پاک'' پرنٹ کر کے ان کو مساجد اور میڈیا کو بھیجا۔اس شخص کو گرفتار کر کے ایک سال کی سزا سنائی گئی۔

۲۰۰۷ء جولائی میں سویڈن کے ایک شخص لارز ویلکس نے نبی اکرم ﷺ کی توہین آمیز پینٹنگ بنائی۔مسلمانوں کے احتجاج کے باعث اس کو گھر چھوڑنا پڑا۔

ستمبر ۲۰۰۷ء میں بنگلہ دیش کے ایک اخبار میں نبی اکرم ﷺ کے خاکے شائع ہوئے جس پر کارٹونسٹ کو گرفتار کر لیا گیا۔دسمبر ۲۰۰۷ء میں عراق کے ایک کرد مصنف نے اپنی کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی۔اس نے نبی اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ کی توہین آمیز پینٹنگ بنائی۔ اس نے ہالینڈ کے ایک میوزیم میں اس پینٹنگ کو نمائش کے لئے پیش کیا۔ یہ شخص مسلمانوں کے احتجاج

کے بعد ناروے فرار ہو گیا اور سیاسی پناہ حاصل کر لی ۔عراقی عدالت نے اسے قید کی سزا سنائی تاہم ناروے میں روپوش ہونے کی وجہ سے یہ شخص ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکا۔فروری ۲۰۰۸ء میں معروف ویب سائٹ وکی پیڈیا پر نبی اکرم ﷺ کے خاکے شائع کیے گئے جس پر دنیا بھر میں مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ ویب سائٹ انتظامیہ نے ان خاکوں کو ہٹانے سے انکار کر دیا اور یہ ابھی تک وکی پیڈیا پر موجود ہیں ۔۲۰۰۸ء میں ہی ہالینڈ کے فلم ساز گریٹ ویلڈرز کی بنائی گئی متنازعہ اور توہین آمیز فلم ''فتنہ'' سامنے آئی ۔اس فلم میں اسلامی قوانین اور نبی اکرم ﷺ کی تضحیک کی گئی تھی ۔قرآنی آیات کو برہنہ فنکارہ کے جسم پر لکھا گیا۔

مئی ۲۰۰۸ء میں ہالینڈ کے ایک کارٹونسٹ نے نبی اکرم ﷺ کے خاکے بنا کر اپنی ویب سائٹ پر لگا دیے ۔اس کارٹونسٹ کو پولیس نے ڈھونڈھ کر گرفتار کر لیا اور عدالت کے حکم پر اس نے توہین آمیز خاکے اپنی ویب سائٹ سے ہٹا دیے۔

۲۰۱۰ء میں نیو یارک کے میٹروپولیٹن میوزیم آف آرٹ میں نبی اکرم ﷺ کے خاکوں پر مشتمل پینٹنگز رکھی گئیں تاہم مسلمانوں کے احتجاج اور شدید ردعمل کے خوف سے ان کو نمائش کے بغیر ہی ہٹا دیا گیا۔ ۲۰ مئی ۲۰۱۰ء کو شر پسند عناصر کی جانب سے فیس بک اور سوشل میڈیا کی دیگر ویب سائٹس پر اشتہار دیئے گئے جن میں ہر ایک کو نبی اکرم ﷺ کے خاکے بنانے کی دعوت دی گئی ۔اس اقدام کے خلاف مسلم دنیا میں شدید اشتعال پیدا ہوا اور کئی ممالک کی جانب سے فیس بک اور دیگر ویب سائٹس کو بند کر دیا گیا ۔

نومبر ۲۰۱۰ء میں فرانس کے ایک ہفت روزہ میگزین چارلی ہیبڈو نے نبی اکرم ﷺ کے گستاخانہ خاکوں پر مشتمل خصوصی ایڈیشن شائع کرنے کا اعلان کیا۔میگزین نے ٹائٹل کو انٹرنیٹ پر شیئر بھی کر دیا۔اس اشتعال انگیز اقدام کے بعد مسلم ہیکرز نے اس میگزین کی ویب سائٹ ہیک کر لی اور اس کے دفتر پر بھی فائر بم کے ذریعے حملہ کیا گیا۔

ستمبر ۲۰۱۲ء میں ہالی وڈ میں پیغبر اسلام ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں توہین آمیز فلم ریلیز کی گئی ۔اس فلم کو جون کے آخر میں ایک چھوٹے سینما گھر میں دکھایا گیا۔ایک فرضی نام سیم رسائل نے اس کی ڈائریکشن دی جس کو بعد میں نیکولا بیسلی نیکولا کے نام سے شناخت کر لیا گیا۔ یہ شخص اسرائیلی نژاد یہودی ہے ۔اس نے نبی محترم ﷺ کی شان میں گستاخی پر مشتمل فلم بنانے کے لئے ۵۰ ملین ڈالر چندہ جمع کیا۔امیر یہودیوں نے اس مذموم حرکت کے لئے دل کھول کر اس کو عطیات دیے۔اس کا ساتھی مورس صادق نامی ایک مصری نژاد امریکی شہری ہے جو قبطی عیسائی ہے ۔ان دونوں کو امریکہ کے بدنام

زمانہ پادری ٹیری جونز کی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی بے حرمتی کا سلسلہ بھی نائن الیون کے بعد تیز ہو گیا۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں قرآن پاک کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ بعض مغربی شر پسند سکالرز نے یہ شوشہ چھوڑا کہ مسلمانوں کے اندر جذبۂ جہاد کی بیداری اور اسلام سے محبت کو کم کرنے کے لئے قرآن مجید کی توہین کی جائے اور اس کی تعلیمات کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے۔ اسی فلسفہ پر عمل کرتے ہوئے امریکی فوجیوں اور بنیاد پرست عیسائی اور یہودی حلقوں کی جانب سے قرآن پاک کی توہین کی گئی۔

قرآن پاک کی بے حرمتی کا ایک بڑا اسکینڈل امریکہ کے بدنام زمانہ حراستی مرکز گوانتاناموبے میں سامنے آیا۔ مسلمان قیدیوں نے انکشاف کیا کہ قرآن پاک کے اوراق کو ٹوائلٹ پیپر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جبکہ امریکی فوجی جان بوجھ کر قرآن پاک کو ٹھوکر مارتے ہیں۔ اس مذموم حرکت کا مقصد مسلمان قیدیوں کے اندر اشتعال پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اس حوالے سے متعدد تصاویر بھی سامنے آئیں۔ امریکہ کے معروف رسالے نیوز ویک نے اپنی ایک رپورٹ میں گوانتاناموبے میں قرآن پاک اور مسلمان قیدیوں کے ساتھ توہین آمیز رویے کی تصدیق کی۔

امریکہ میں قرآن پاک کی توہین اور بے حرمتی کا سب سے بڑا واقعہ ملعون پادری ٹیری جونز کی جانب سے قرآن پاک کو جلانے کا اعلان تھا۔ اس نے ۲۰۱۰ء میں نائن الیون کی برسی کے موقعے پر فلوریڈا کے ایک چرچ میں قرآن پاک نذر آتش کرنے کا اعلان کیا۔ ٹیری جونز اس سال عالم اسلام کے شدید ردعمل اور امریکی حکومت کے دباؤ کے باعث اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکا تاہم اس نے اپنا منصوبہ ترک نہ کیا اور اگلے سال ۲۰ مارچ ۲۰۱۱ء کو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس نے قرآن پاک کو نذر آتش کیا۔

رواں سال افغانستان میں امریکی فوجیوں کی جانب سے بلگرام ائیر بیس پر قرآن پاک کے سیکڑوں نسخے جلانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے خلاف فوری طور پر افغانستان میں ہنگامے پھوٹ پڑے۔ ان پر تشدد ہنگاموں میں تیس سے زائد افراد جاں بحق ہوئے اور چھ امریکی فوجیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ امریکی صدر باراک اوبامہ نے ذاتی طور پر اس واقعے پر معافی مانگی۔

یہ سب واقعات وہ ہیں جو نائن الیون کے بعد پیش آئے جبکہ نائن الیون سے پہلے بھی کئی بار ایسی مذموم حرکتیں کی گئیں۔ امریکہ کی سپریم کورٹ بلڈنگ میں نبی اکرم ﷺ کی خیالی تصویر ۱۹۳۵ء میں بنائی گئی تھی جس میں ان کے ایک ہاتھ میں قرآن پاک اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑائی گئی ہے۔ یہ تصویر ابھی تک موجود ہے۔ اس سے امریکیوں کے نبی محترم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں خبث باطن کا

اظہار ہوتا ہے۔اسی طرح اگست ۱۹۲۵ء میں لندن کے ایک اخبار میں نبی اکرم ﷺ کا خاکہ بنایا گیا تھا۔

۱۹۸۹ء میں بدنام زمانہ بھارتی مصنف سلمان رشدی نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز کتاب لکھی۔سلمان رشدی کے خلاف دنیا بھر میں مظاہرے شروع ہو گئے۔سلمان رشدی لندن فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا جہاں وہ ابھی تک برطانوی سکیورٹی فورسز کی تحویل میں ہے۔ عالم اسلام کے کئی علمائے کرام نے سلمان رشدی کو قتل کرنے کا فتوی جاری کر رکھا ہے جب کہ اس کے سر کی تیس لاکھ ڈالر قیمت بھی مقرر ہے۔

۱۹۹۴ء میں بنگلہ دیشی مصنفہ تسلیمہ نسرین نے قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کے ذات اقدس کے بارے میں توہین آمیز کتاب لکھی۔

۱۹۹۷ء میں نبی اکرم ﷺ کا خیالی مجسمہ نیویارک کی ایک عدالت میں نصب کیا گیا تھا جس کو اسلامی ممالک کے سفیروں کے احتجاج کے بعد ہٹا دیا گیا۔

۱۹۹۸ء میں ایک پاکستانی غلام اکبر کو نبی اکرم ﷺ کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے پر سزائے موت سنائی گئی۔۔

۱۹۹۹ء میں ایک جرمن میگزین''ڈر سپائیجل''میں نبی اکرم ﷺ کا خاکہ پیش کیا گیا۔۲۰۰۱ء میں اسی میگزین نے دوبارہ بھی اسی خاکے کو پیش کیا۔

۲۰۰۱ء میں امریکی فاکس ٹی وی کے پروگرام ساؤتھ پارک کی ایک قسط میں نبی اکرم ﷺ کا خاکہ پیش کیا گیا تاہم مسلمانوں کے احتجاج کے بعد اس کی باقی ماندہ اقساط سے اس کو ہٹا دیا گیا۔

روزنامہ نوائے وقت ۱۰ جنوری ۲۰۰۱ء میں امریکہ میں مسلمانوں کے احتجاج کی رپورٹ پیش کی گئی جو امریکی کمپنی لزکلیبون اِن کارپوریٹڈ کی جانب سے قرآنی آیات والی پتلونیں بنانے سے متعلق تھا۔کمپنی ترجمان کے مطابق یہ ڈیزائن بیت المقدس کے گنبد سے لیا گیا تھا جس کو پتلون کی عقبی جیب پر چھاپا گیا۔ ۹ ستمبر ۲۰۰۱ء امریکہ میں شائع شدہ کتاب ویسٹرن سویلائزیشن کو ایشیا بک فاؤنڈیشن نے پاکستانی یونیورسٹریز کی لائبریریوں کو بطور تحفہ ارسال کیا جس میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی تصاویر بھی تھیں۔ایک تصویر میں نبی اکرم ﷺ کی ایک عیسائی راہب سے ملاقات بھی دکھائی گئی۔

۲۰۰۱ء میں امریکی ٹائم میگزین نے ایک تصویر شائع کی جس میں پیغبر اسلام کو حضرت جبریل کا انتظار کرتے دکھایا گیا۔مسلمانوں کے شدید احتجاج پر میگزین نے اپنی اس مذموم حرکت پر معافی بھی مانگی۔

توہین رسالت ﷺ اور قرآن پاک کی بے حرمتی کے ان واقعات کے باعث ہر مسلمان کا دل غمگین ہے۔ہر کوئی سراپا احتجاج ہے۔دنیا بھر میں پر تشدد مظاہرے ہو رہے ہیں اور ناموسِ رسالت پر مر

مٹنے کا جذبہ ہر دل میں موجزن دکھائی دیتا ہے۔ان حالات میں نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنے والوں کی ذمہ بڑھ جاتی ہے۔مسلم حکمرانوں کا فرض ہے کہ عالمی سطح پر انبیائے کرام اور مقدس کتابوں کی توہین کے واقعات کی روک تھام کے لئے قانون بنوانے کے لیے متحرک ہو جائیں۔ایسی حرکتیں کرنے والے شر پسند عناصر عالمی امن کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اس لیے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس صورتحال کا ادراک کرتے ہوئے ان کے خلاف کارروائی کریں۔دوسری جانب مسلمانوں کو چاہیے کہ پر جوش مظاہروں اور محبت رسول ﷺ کے نعروں کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا عملی مظاہرہ بھی کریں۔کفار کی سازشوں کا بہترین جواب یہ بھی ہے کہ مسلمان سنتوں کے فروغ اور نبی اکرم ﷺ کی سچی تعلیمات دنیا بھر میں پھیلانے کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں۔اگر مسلمانوں کے جذبہ ایمانی، نبی محترم ﷺ اور قرآن پاک سے ان کی محبت کا عملی اظہار شروع ہو گیا تو یقینا بہت جلد اسلام کو عروج ملے گا اور دنیا اس سچے اور آفاقی دین کی برکات سے مستفید ہو گی۔

تعلیم و تربیت ڈاکٹر محمد امین

جدید تعلیم۔اسلامی تناظر میں

پنجاب میں لازمی تعلیم کے کمشن کے لیے تحریک اصلاح تعلیم کی سفارشات

حکومت پنجاب نے آئین کی دفعہ ۲۵ اے کے تحت پنجاب میں ۵ سے ۱۶ سال تک کی عمر کے بچوں کے لیے لازمی اور فری تعلیم مہیا کرنے کی غرض سے قانونی ڈھانچہ بنانے کے لیے جسٹس (ر) خلیل الرحمن صاحب کی زیر صدارت ایک تعلیمی کمیشن قائم کیا ہے۔اس غرض سے کہ پنجاب میں تعلیم کا نظام اسلام اور نظریۂ پاکستان کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہونا چاہیے، تحریک اصلاح تعلیم نے اپنی سفارشات مرتب کر کے کمشن کو بھجوائی ہیں۔ان تجاویز کا اردو ترجمہ، بعض اضافوں کے ساتھ، قارئین البرہان کی دلچسپی کے لیے حاضر خدمت ہے۔

اگرچہ جسٹس صاحب اپنی دینداری اور سلامتی طبع کے لیے معروف ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ اس بیوروکریسی سے، جو سیکولر اور مغرب زدہ ہونے کی شہرت رکھتی ہے، بچ کر کتنا اچھا کام کر سکتے ہیں۔ادارہ

نصاب

یہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں قرآن وسنت کی تعلیم دی جائے اور تعلیم کے دیگر شعبے بھی قرآن وسنت کے مطابق ہوں اور اس کے خلاف نہ ہوں بلکہ اس کے ساتھ دستور پاکستان کا بھی یہ کہنا ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنایا جائے [دفعہ ۱۳۱(۱)] اور اس غرض سے انہیں قرآن حکیم، اسلامیات اور عربی زبان کی تعلیم دی جائے [دفعہ ۱۳۱(۲)]، روزگار کے لیے تکنیکی اور پیشہ وارانہ مہارتوں اور اعلیٰ تعلیم کے لیے یکساں مواقع کی فراہمی ضروری ہے۔ یہ اس لیے کہ دستور یہ تسلیم کرتا ہے کہ پاکستانی ریاست کا مذہب اسلام ہے اور یہاں کوئی قانون خلاف اسلام نہیں بنایا جائے گا اور اس غرض سے اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی ہیں اور معاشرتی ڈھانچے کو اسلامی اصولوں پر استوار کرنے کی بات کی گئی ہے۔ اس تناظر میں پنجاب میں سکول کی تعلیم کے نصاب میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے:

۱۔ قرآن حکیم

۱.۱۔ اسلامیات کے علاوہ قرآن وحدیث کے متن کے مطالعے کے لیے پہلی سے دسویں جماعت تک 'مطالعۂ قرآن وحدیث' کے نام سے ایک نیا مضمون متعارف کرایا جائے۔

۱.۲۔ ہر جماعت کا پہلا پریڈ مطالعۂ قرآن وحدیث اور اسلامیات کے لیے وقف ہونا چاہیے۔

تدریس قرآن کی تدریج

۱.۳۔ نرسری/ پریپ میں قرآن کا عربی قاعدہ پڑھا دیا جائے۔ قاری ایسا ہو جو تجوید کا ماہر ہو تاکہ بچے کے مخارج اور تلفظ درست ہو جائے کہ اس عمر میں بچے کی زبان نرم ہوتی ہے۔

۱.۴۔ پرائمری میں قرآن پڑھنے (ناظرہ) کی تکمیل اور آخری ۲۰ سورتیں یاد کرنا مع ترجمہ۔

۱.۵۔ چھٹی جماعت سے لفظی ترجمہ شروع کرا دیا جائے اور دسویں تک قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرا دیا جائے۔

۱.۶۔ چھٹی سے دسویں کے دوران آخری پارہ اور اہم سورتیں مع ترجمہ ہر مسلمان بچے کو زبانی یاد کرادی جائیں۔

۱.۷۔ پرائمری پاس طلبہ کے لیے حفظ قرآن کی خصوصی آپشن ہو، جس کے بعد وہ مرکزی تعلیمی دھارے میں شامل ہو جائیں۔

حدیث

۱.۸۔ پہلی سے دسویں تک ہر جماعت میں ۴۰ حدیثیں مع ترجمہ وتشریح پڑھائی جائیں۔

۱.۹۔ پرائمری میں مختصر متن والی حدیثوں کا انتخاب کیا جائے تاکہ بچے انہیں آسانی سے یاد بھی کرلیں۔

۱.۱۰۔ ایسی احادیث کا انتخاب کیا جائے جن سے بچوں کا اخلاق بہتر ہو اور وہ اسلامی آداب سیکھیں نیز عقائد، عبادات اور معاملات میں بھی انہیں رہنمائی ملے۔

۲۔ اسلامیات

۲.۱۔ ہر جماعت کے لیے اسلامیات کی الگ کتاب ہونی چاہیے (پہلی سے تیسری تک اسلامیات کے مضمون کو اردو اور معاشرتی علوم کے ساتھ ضم کرکے ایک کتاب بنانے کا سلسلہ بند کردیا جائے)۔

۲.۲۔ پہلی اور دوسری جماعت کی اسلامیات اصلاً اساتذہ کے لیے ہونی چاہیے نہ کہ طلبہ کے لیے

۲.۳۔ اسلامیات کی کتب کو جامع بنایا جائے اور ان میں عقائد، عبادات، اخلاق وآداب اور معاملات کے مضامین کو موزوں تناسب سے ایک تدریج کے ساتھ سمویا جائے۔

۲.۴۔ دیکھا گیا ہے کہ اسلامیات کی کتب میں عقیدے کا حصہ بہت کمزور ہوتا ہے حالانکہ ایک مسلمان کی صحیح خطوط پر تعمیر شخصیت وکردار کا انحصار ہی اس بات پر ہوتا ہے کہ اللہ، رسولؐ اور آخرت پر اس کا یقین پختہ ہو، وہ اللہ سے محبت کرے اور اس سے ڈرے تاکہ اس کی اطاعت کی زندگی گزار سکے اور آخرت میں اس کی رضا حاصل کرسکے۔ بندے اور اللہ کے تعلق کو مضبوط کرنے کے اس پہلو کو اسلامیات اور مطالعۂ قرآن وحدیث کے نصاب میں بنیادی حیثیت دی جانی چاہیے۔

۲.۵۔ قرآنی اور مسنون دعائیں مع ترجمہ یاد کرنا بھی اسلامیات کے کورس کا ایک حصہ ہونا چاہیے۔

۲.۶۔ ان کتابوں میں اتحاد امت، ملی یک جہتی، بین المسالک ہم آہنگی اور استحکام پاکستان جیسے تصورات کو فروغ دیا جائے اور فرقہ واریت (مذہبی اور سیاسی) اور لسانی وعلاقائی تعصّبات کی مذمت کی جائے۔

۲.۷۔ قرآن وسنت کے احکام بیان کرتے ہوئے ان کی حکمتیں اور فائدے بھی بیان کیے جائیں۔

۲.۸۔ دسویں جماعت کی اسلامیات کی کتاب میں اسلامی تہذیب پر بھی مواد شامل کیا جائے جس میں اسلامی تہذیب کی نمایاں خصوصیات، مسلم زوال کے اسباب اور عروج کا منہج، پاکستان کو صحیح اسلامی معاشرہ

اور ریاست بنانے کے تقاضے، مغربی تہذیب کا تنقیدی مطالعہ بھی شامل نصاب ہو۔

۳۔لسانیات (زبانیں)

۳۔اردو [آئین کی دفعہ ۲۵۱ و ۲۵۱(۱)]

۱.۳۔ اردو چونکہ آئین کی رو سے پاکستان کی قومی زبان ہے لہٰذا اسے پنجاب میں بھی سرکاری اور دفتری زبان قرار دیا جائے اور اسے ہر سطح پر عملاً نافذ کیا جائے۔

۲.۳۔ سکولوں میں ذریعہ تعلیم صرف اردو زبان ہونی چاہیے۔

۳.۳۔ امتحانات بھی اردو میں لیے جائیں۔

۴۔انگریزی

۱.۴۔ انگریزی کو بطور ذریعۂ تعلیم اور ذریعۂ امتحان ممنوع قرار دیا جائے (اس کے غیر سائنٹفک اور غیر مفید ہونے بلکہ اس کے تعلیمی نقصانات کی فہرست طویل ہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں مثلاً شرح تعلیم میں کمی، بچوں کے سکول چھوڑنے کی شرح میں اضافہ، تعلیمی معیار میں کمی، رٹے بازی کے رجحان میں اضافہ، تخلیقی صلاحیت میں کمی، فیل ہونے والوں کی کثرت......وغیرہ)

۲.۴۔ انگریزی کو سکول سطح پر اختیاری مضمون ہونا چاہیے۔

۳.۴۔ پری پرائمری میں انگریزی بالکل نہیں ہونی چاہیے۔

۴.۴۔ پرائمری سطح پر صرف سپوکن انگلش کا ہلکا پھلکا نصاب ہو۔ اس کی باقاعدہ تدریس چھٹی جماعت سے ہونی چاہیے۔

۵.۴۔ سکول کی سطح پر جو انگریزی پڑھائی جائے وہ فنکشنل نوعیت کی ہو جو روزمرہ استعمال کے کام آئے۔

۶.۴۔ انگریزی کی تدریس کا معیار بہت بلند، اسلوب سادہ اور سائنٹفک ہونا چاہیے تاکہ طلبہ اس میں آسانی سے مہارت حاصل کر سکیں۔

۵۔عربی زبان[آئین کی دفعہ ۳۱(۲)]

۵.۱۔ عربی کی تدریس بطور قرآنی زبان ہونی چاہیے۔

۵.۲۔ عربی کا قاعدہ پری سکول میں تجوید کے ماہر قاری سے پڑھوایا جائے۔

۵.۳۔ عربی کی تدریس پہلی سے دسویں تک لازمی ہو، جس کا نصاب ہلکا پھلکا، آسان، سادہ، دلچسپ اور اردو میں مستعمل قرآنی الفاظ پر مشتمل ہو تاکہ فہم قرآن میں سہولت ہو۔

۶۔متفرق

۶.۱۔ پنجاب کے سکولوں میں کسی مرحلے پر بھی غیر مسلم اور غیر پاکستانی مصنفین کی کتابیں نہ لگائی جائیں۔

۶.۲۔ عمرانی علوم اور سائنسی مضامین کی درسی کتابیں بھی اسلامی تناظر میں مدون کی جائیں۔

۶.۳۔ جب مڈل اور ثانوی سطح پر تخصص کا آغاز کیا جائے تو سائنس، آرٹس اور کامرس کے ساتھ اسلامی علوم کے تخصص کا بھی اجراء کیا جائے۔

۶.۴۔ چھٹی سے انگریزی کے ساتھ عربی اور فارسی کو بھی بطور اختیاری مضمون شامل نصاب کیا جائے۔

۶.۵۔ ثانوی سطح پر منتخب مہارتیں سکھانے کا انتظام ہر سکول میں ہونا چاہیے (جیسے الیکٹریشن، مکینک، کمپیوٹر کمپوزر وغیرہ) تاکہ جو طلبہ تعلیم جاری رکھنے کی بجائے روزی کمانا چاہیں ان کے پاس ہنر موجود ہو۔

۷۔نظام امتحانات

۷.۱۔ پبلک سیکٹر کے نظام امتحانات کا معیار بہتر بنانے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں۔

۷.۲۔ غیر ملکی امتحانات (جیسے او اور اے لیول) اور پرائیویٹ بورڈ (جیسے آغا خان بورڈ) کے ذریعے امتحانات ممنوع قرار دیے جائیں۔

۷.۳۔ ذریعۂ امتحان اردو زبان ہونی چاہیے۔

۷.۴۔ امتحان ایسا ہونا چاہیے جس کے ذریعے طلبہ کی علمی اور ذہنی صلاحیت بڑھے نہ کہ محض رٹے بازی اور حافظے کا امتحان ہو۔

۷.۵۔ امتحان میں معروضی اور بیانیہ انداز کے سوالات موزوں تناسب کے ساتھ دیے جائیں۔

۷.۶۔ گائڈیں، خلاصے اور ٹیسٹ پیپرز ممنوع قرار دیے جائیں تاکہ طلبہ منظور شدہ نصابی کتابیں

پڑھیں۔

۸۔تربیت طلبہ/تعمیر شخصیت و کردار

۸.۱۔ اسلامی تناظر میں طلبہ کی شخصیت و کردار کی تعمیر سکول انتظامیہ اور اساتذہ کی اخلاقی ہی نہیں آئینی و قانونی ذمہ داری بھی ہے اور اس کا اساتذہ کی تنخواہ میں سالانہ اضافے اور پروموشن میں خاطر خواہ کردار ہونا چاہیے۔

۸.۲۔ ہر سکول میں ایک 'تعمیر اخلاق کمیٹی' ہونی چاہیے جس کا سربراہ سکول پرنسپل/ ہیڈ ماسٹر یا اسلامیات کا معلم ہو۔

۸.۳۔ یہ کمیٹی سکول میں طلبہ کی تعمیر شخصیت و کردار کے لیے مختلف سرگرمیوں کی نشان دہی اور منصوبہ بندی کرے اور بگڑے بچوں کی اصلاح کے لیے خصوصی اقدامات کرے۔

۸.۴۔ سکول ڈائریکٹوریٹ میں ایک شعبہ 'تربیت و اصلاح طلبہ' کا ہونا چاہیے۔اس شعبے میں موزوں ماہرین اخلاق ونفسیات اور ماہرین تعلیم کی ایک ٹیم ہونی چاہیے جو پنجاب کے سکولوں میں تربیت طلبہ کی سرگرمیوں کو منظم کرے۔اس کے لیے کتب، گائڈ اور مینوئل تیار کرے۔سکولوں کا دورہ کرے، تعمیر اخلاق کمیٹیوں کی کارکردگی کا جائزہ لے اور فعال کردار ادا کرنے کے لیے انہیں مشورے دے اور ضروری اعانت مہیا کرے۔

۸.۵۔ اسلامیات کی تعلیم محض نظری نہیں بلکہ عملی ہونی چاہیے مثلاً بچوں کو وضو اور نماز کا طریقہ صرف پڑھا اور بتا دینا کافی نہیں بلکہ سکول میں اس کی باقاعدہ پریکٹس کرائی جائے۔تفریح کے وقفے میں جب بچے کھانا کھائیں تو ان کو عملاً کھانے کے اسلامی آداب کی پریکٹس کرائی جائے۔بچیوں کو سکارف اوڑھنا سکھایا جائے......وغیرہ۔

۸.۶۔ تمام پبلک اور پرائیویٹ سکولوں میں طلبہ و طالبات کی یونیفارم شلوار قمیض ہونی چاہیے۔

۸.۷۔ بچوں کو سخت سزا نہیں دینی چاہیے اگرچہ سرکش طلبہ کو بوقت ضرورت تنبیہ و سرزنش کی جاسکتی ہے۔

۸.۸۔ سکول میں تمام ہم نصابی سرگرمیاں اسلامی تناظر میں اس طرح منظم کی جائیں کہ طلبہ کی جسمانی، اخلاقی، نفسیاتی اور علمی و عقلی صلاحیتوں میں اضافہ ہو، جیسے یوم پاکستان، یوم اقبال اور تقسیم انعامات وغیرہ کی تقریبات، تحریری و تقریری مقابلے، تفریحی سفر، کھیلیں......وغیرہ۔

۹۔اساتذہ

۹.۱۔ اساتذہ کی تنخواہیں اور معاشرتی رتبہ بڑھایا جائے تاکہ ذہین لوگ شوق سے ادھر آئیں۔

۹.۲۔ ٹیوشن سنٹرز اور شام کی اکیڈیمیاں بند کر دی جائیں۔

۹.۳۔ پرائیویٹ اور پبلک سیکٹر دونوں میں اساتذہ کے لیے تربیت ضروری ہو اور دوران تربیت انہیں نہ صرف طرق تدریس کی پیشہ ورانہ تربیت دی جائے بلکہ انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ ان کا بنیادی فریضہ طلبہ کو اچھا مسلمان بنانا ہے اور یہ نہ صرف ان کی اسلامی اور اخلاقی ذمہ داری ہے بلکہ یہ ان کی آئینی و قانونی ذمہ داری بھی ہے [حسب دفعہ آئین ۳۱(۱)]۔طلبہ کو اچھا مسلمان کیسے بنانا ہے؟ انہیں اس کی بھی تربیت دی جائے۔انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ وہ یہ کام نہیں کر سکتے جب تک وہ خود اچھے مسلمان نہ بنیں اور خود اچھا مسلمان کیسے بننا ہے، اس کی بھی انہیں تربیت دی جائے۔انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ طلبہ اساتذہ کو ماڈل سمجھتے اور آئیڈیلائز کرتے ہیں لہٰذا اساتذہ کا ذاتی کردار مثالی ہونا ضروری ہے۔

۹.۴۔ مذکورہ بالا ۹.۳ کے تناظر میں اساتذہ کے تربیتی نصاب پر نظر ثانی کی جائے اور موزوں ماسٹر ٹرینرز مہیا کیے جائیں۔

۹.۵۔ ۹.۳ میں مذکور ذمہ داریوں کو اساتذہ کی سالانہ رپورٹ اور کارکردگی کا لازمی حصہ بنایا جائے اور اس میں اچھی یا بری کارکردگی ان کی ترقی پر اثر انداز ہونی چاہیے۔

۹.۶۔ خواتین اساتذہ کو سادگی اختیار کرنی چاہیے اور مرقع فیشن بن کر سکول نہیں آنا چاہیے۔مرد اساتذہ کو بھی شلوار قمیص کو ترجیح دینی چاہیے۔

۹.۷۔ پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر کے تمام سکول اساتذہ کی ملازمت سے پہلے اور بعد میں تربیت محکمہ تعلیم کا سب سے بنیادی کام ہونا چاہیے۔

۹.۸۔ تعلیم کے سارے شعبوں میں اور خصوصاً تربیت اساتذہ میں مغربی حکومتوں یا ان کی ڈونر ایجنسیوں کا کوئی کردار ہرگز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے پیش نظر مسلم تعلیم کی ویسٹرنائیزیشن ہے تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل مسلمان نہ بن سکے بلکہ ابتدا ہی سے انہیں مغرب کا ذہنی غلام بنا دیا جائے۔

۱۰۔لازمی اور فری تعلیم

۱۰.۱۔ پنجاب میں تعلیم کا بجٹ بڑھا کر کم از کم دگنا کر دیا جائے۔

۱۰.۲۔ اس غرض سے کمیونٹی کو موبلائز کیا جائے اور ہر بستی میں ایک 'کمیونٹی سکول' کھولنے کو ہدف بنایا جائے۔

۱۰.۳۔ مساجد کو تعلیمی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ اس غرض سے 'مکتب مسجد اسکیم' پر نظر ثانی کی جائے اور اسے قابل عمل اور مفید تر بنایا جائے۔

۱۰.۴۔ پرائیویٹ سکولوں میں فیسیں کم کی جائیں۔ اس حوالے سے قواعد بنائے جائیں اور ان پر عمل درآمد کرایا جائے۔

۱۰.۵۔ مزید حکومتی سکول کھولے جائیں۔

۱۰.۶۔ حکومتی سکولوں کا معیار تعلیم بلند کیا جائے تا کہ لوگ وہاں اپنے بچے بھجوانا پسند کریں۔

۱۰.۷۔ پرائیویٹ سیکٹر میں ان افراد، اداروں اور انجمنوں کی حوصلہ افزائی اور مالی مدد کی جائے جو فری تعلیم دے رہی ہیں۔

۱۰.۸۔ پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے دائرۂ کار کو پنجاب کے سارے اضلاع تک توسیع دی جائے۔

۱۰.۹۔ مفت تعلیم صرف غریبوں کے لیے ہو۔ کھاتے پیتے گھرانوں سے فیس لینے میں کوئی ہرج نہیں کہ یہ ایک طرح سے فروغ تعلیم کے نیک کام میں ان کا حصہ ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

۱۰.۱۰۔ غریب اور مستحق طلبہ کو کتابوں کے علاوہ یونیفارم، کاپیاں اور پین پنسل بھی حکومت مہیا کرے۔

۱۰.۱۱۔ جو لوگ اتنے غریب ہیں کہ بچوں کی کمائی ان کی مجبوری ہو، انہیں حکومت فی بچہ وظیفہ دے۔

۱۰.۱۲۔ صوبے کے عمومی مالی حالات بہتر بنائے جائیں اور غربت کم کرنے کے اقدامات کیے جائیں تا کہ لوگ غربت کی وجہ سے بچوں کو سکول بھجوانے سے نہ کترائیں۔

۱۰.۱۳۔ حکومت امراء اور صنعت کاروں کو توجہ دلائے کہ وہ سرکاری سکولوں کے بچوں کے اخراجات سپانسر کریں۔ اگر معیار تعلیم اچھا ہو، اسلامی ہو اور نظام شفاف ہو اور حکومت اپنی اخلاقی ساکھ قائم کرلے تو لوگ حکومت کی مدد کر سکتے ہیں۔

۱۱۔ پرائیویٹ سیکٹر کے سکول

۱۱.۱۔ پرائیویٹ سیکٹر کے سکولوں کی نگرانی کا موثر انتظام ہونا چاہیے بلکہ اس کے لیے الگ ڈائریکٹوریٹ ہونا چاہیے۔

۱۱.۲۔ پرائیویٹ سکولوں کے اساتذہ لازماً تربیت یافتہ ہونے چاہئیں۔

۱۱.۳۔ حسب لیاقت ان کی تنخواہوں کے گریڈ مقرر ہونے چاہئیں۔ ایک کم از کم تنخواہ مقرر ہو جو بہرصورت انہیں ملے۔

۱۱.۴۔ پرائیویٹ سکولوں کی فیسوں کا سٹرکچر مذکورہ ڈائریکٹوریٹ مقرر کرے اور اس پر عمل درآمد کی نگرانی کرے۔

۱۱.۵۔ پنجاب کے سارے سکولوں میں یکساں نصاب ہونا چاہیے، خواہ وہ پرائیویٹ سکول ہوں یا پبلک۔ اس نصاب کی نوعیت کے بارے میں اوپر دی گئی سفارشات پر عمل کیا جائے۔

۱۱.۶۔ پرائیویٹ سکولوں میں بھی یونیفارم شلوار قمیض (اور بچیوں کے لیے سکارف) ہو۔

۱۲۔ پری سکول ایجوکیشن

۱۲.۱۔ پری سکول تعلیم کا موجودہ تصور خالص مغربی تہذیب اور معاشرے کی پیداوار ہے۔ وہاں چونکہ اکثر مائیں ملازمت کرتی ہیں اور مشترکہ خاندانی نظام نہیں ہے لہٰذا وہاں کی ماں مجبور ہے کہ اپنے چند ماہ کے بچے کو ڈے کیئر سنٹر میں چھوڑے اور دو تین سال کی عمر میں اسے پری سکول بھیجے۔ یہ صورت حال پاکستان جیسے مسلمان اور مشرقی معاشرے میں موجود نہیں کیونکہ یہاں عورتوں کی اکثریت ملازمت نہیں کرتی اور بچے کی تربیت ماں کا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے لہٰذا مغربی پری سکول/ارلی چائلڈ ہڈ تعلیم کا تصور ہمیں خود پر لاگو نہیں کرنا چاہیے۔ ہماری رائے میں ہمارا پہلا نظام صحیح تھا کہ پانچ ساڑھے پانچ سال کا بچہ سکول بھیجا جاتا تھا تاکہ عادی ہو جائے اور بنیادی چیزیں سیکھ لے اور ۶ سال کی عمر میں باقاعدہ پہلی کلاس میں داخل ہو جاتا تھا۔ اب زیادہ سے زیادہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ چار سال کی عمر میں بچے کو نرسری اور پریپ سے گزار کر پانچ سال کی عمر میں پہلی کلاس میں داخلہ دے دیا جائے۔

۱۲.۲۔ جب چار سال کی عمر میں بچے کو چھ ماہ کے لیے نرسری اور ۶ ماہ کے لیے پریپ میں داخل کیا جائے تو یہ موزوں ہوگا کہ بچے کو کھیل ہی کھیل میں بنیادی تعلیمی مہارتوں کی راہ پر ڈال دیا جائے جس میں بچے کو اردو پڑھنا (اور عربی قاعدہ تاکہ بچے کے قرآنی مخارج کی درست ابتداء ہو جائے)، گنتی، کلمہ اور بسم اللہ وغیرہ پڑھنا جیسی ہلکی پھلکی چیزیں سکھا دی جائیں۔ انگریزی کی تدریس یا نظمیں یاد کرنا اس مرحلے پر ہرگز نصاب کا حصہ نہیں ہونا چاہیے۔

۱۲.۳۔ بچے کی صحیح تعلیم و تربیت کے حوالے سے والدین کا موجودہ کردار بھی اصلاح طلب ہے۔ لہٰذا

محکمہ تعلیم کو تعلیمی سال کے شروع میں ایک دن مقرر کرنا چاہیے جس دن والدین سکولوں میں آئیں اور وہاں ان کو بتایا جائے کہ بچے کی تعلیم و تربیت میں ان کے کردار کی کیا اہمیت ہے؟ اچھے سکول کا انتخاب کیسے کیا جائے؟ سکول سے رابطہ کیسے رکھا جائے؟ وغیرہ

۱۳۔ صنفی امور

۱۔۱۳۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے سکول الگ ہونے چاہئیں اور مخلوط تعلیم نہیں ہونی چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ لڑکیوں کے سکولوں میں ابتدائی تین کلاسوں میں لڑکوں کو بھی بیٹھنے کی اجازت دے دی جائے۔

۲۔۱۳۔ خواتین اساتذہ کا تقرر بوائز سکولوں میں نہ کیا جائے اور لڑکیوں کے سکولوں میں مرد اساتذہ اور سٹاف نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔۱۳۔ خواتین کے لیے سکول ڈائریکٹوریٹ بھی الگ ہونا چاہیے۔

۱۴۔ کوالٹی / معیار تعلیم

۱۔۱۴۔ سکول ڈائریکٹوریٹ میں ایک سیل یا محکمہ ایسا ہونا چاہیے جس کا کام صرف پرائیویٹ اور پبلک سکولوں کے معیار کی نگرانی کرنا ہو۔

۲۔۱۴۔ اس سیل یا محکمے کو کوالٹی کے لیے اقدامات اور پروسیجرز طے کرنے چاہئیں اور پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر کے سکولوں میں ان کے عملی اطلاق کی نگرانی کا اہتمام کرنا چاہیے۔

۱۵۔ دینی مدارس کی تعلیم

۱۔۱۵۔ مدارس سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ وہ یا تو صرف ان طلبہ کو داخلہ دیں جنہوں نے پنجاب حکومت کا پرائمری اور مڈل کا امتحان پاس کیا ہو یا اگر وہ چاہیں تو اپنے اطمینان کی خاطر اس سطح کی تعلیم کا انتظام خود کر لیں تا کہ اگر وہ حکومتی نصاب کے ساتھ مزید اسلامی مواد اس میں شامل کرنا چاہیں تو کر سکیں۔

۲۔۱۵۔ ثانوی سطح پر ثانویہ عامہ کے دینی مواد کے ساتھ جنرل ریاضی اور جنرل سائنس جیسے ایک دو مضامین کے ساتھ انہیں حکومتی منظور شدہ (بورڈ کی) ڈگری دے دی جائے جس کی تیاری خود مدارس کرا دیں یا طلبہ کو باہر پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ دینی مدارس کے طلبہ کو، خصوصاً وہ جو اعلیٰ تعلیم و تحقیق کی طرف جانا چاہیں، انہیں انگریزی بطور اختیاری مضمون ضرور پڑھنی چاہیے۔

ان تجاویز کی تیاری میں جو اصول ہمارے پیشِ نظر رہا ہے وہ یہ کہ پنجاب میں تعلیم اسلام اور نظریۂ پاکستان کے تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے جو ہماری آئینی اور قانونی ضرورت بھی ہے نیز تعلیم مغربی فکر وتہذیب کے مطابق نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس سے اسلامی اصول واقدار اور نظریۂ پاکستان کی نفی ہوتی ہے اور ایسا کرنا نہ صرف غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ہے بلکہ غیر آئینی اور غیر قانونی بھی ہے لہٰذا ہمیں مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب ہوئے بغیر پنجاب کے تعلیمی ڈھانچے کو اسلام اور نظریۂ پاکستان کے مطابق ترتیب دینا چاہیے۔

ہمیں یقین واثق ہے کہ اگر مذکورہ تعلیمی کمشن اور حکومت پنجاب ہماری سفارشات قبول کر لے تو فری اور لازمی تعلیم کی منزل ضرور حاصل کر لے گی اور تعلیم کی نظریاتی سمت بھی درست رہے گی اور ایسا معاشرہ وجود میں آ سکے گا جو اسلام اور نظریۂ پاکستان کے سنہری اصولوں پر عمل کرتے ہوئے ترقی واستحکام کی منزل کی طرف گامزن ہوگا، ان شاء اللہ۔

تعلیم وتربیت

ڈاکٹر مظفر اقبال ☆

ہائر ایجوکیشن کمشن (HEC) کا المیہ

مشرف آمریت کے دوران میں بڑے بڑے رچائے گئے ڈراموں میں ایک ڈرامہ اعلیٰ تعلیم کا تھا۔ اپنے فوجی انقلاب کے فوراً بعد مشرف نے ہائر ایجوکیشن کمشن کو وہ اختیارات دے دیے جو اس کے آمرانہ اقتدار کا شاخسانہ تھے۔ ہائر ایجوکیشن کمشن (HEC) اس کا اس لیے محبوب نہیں بن گیا تھا کہ وہ ہائر ایجوکیشن، سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں کچھ جانتا تھا بلکہ اس کا سبب محض یہ تھا کہ جس شخص نے یہ ناٹک ایجاد کیا وہ چرب زبان تھا اور مشرف کو اپنا ایک امیج پروان چڑھانے کی ضرورت تھی جو اس کے سخت گیر فوجی آمر کے امیج کو نرم کر دے۔

یہ ناٹک ایک ایسے ملک میں اعلیٰ تعلیم کے پیچیدہ مسئلے کو آناً فاناً حل کرنے کے لیے رچایا گیا تھا جہاں ''ادنیٰ'' تعلیم بھی زبوں حالی کا شکار ہے۔ یہ ڈرامہ اس لیے بھی ہے کہ اس نے اعلیٰ تعلیم کو صرف

سائنس اور ٹیکنالوجی تک محدود کر دیا اور وہ تمام چیزیں اٹھا کر باہر پھینک دیں جو تخلیقی تھیں اور سائنس کے نام پر لیبارٹریوں کے ٹیکنیشنز کی ذہنی سطح سے کہیں ارفع و اعلیٰ مقام رکھتی ہیں حتیٰ کہ ناقص شہری منصوبہ بندی سے جنم لینے والی دیرینہ قومی تباہیوں کے سدباب کی اسکیمیں، اصلاح طلب ٹرانسپورٹ سسٹم اور گنے چنے ماہرین تعمیرات کے ادارے جو ماحول دوست اور توانائی بچانے والی عمارتیں تعمیر کر سکتے تھے، سب اٹھا کر باہر پھینک دیے گئے اور ان کی جگہ ناقص، ادھوری اور تیز تر اسکیمیں متعارف کرائی گئیں جن کے متعلق یہ مفروضہ قائم کیا گیا کہ ان سے بڑی تعداد میں پی ایچ ڈی پیدا ہوں گے۔ اس ڈرامے کی سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ ہوائی قلعے بنانے کی سی کوشش تھی، جیسے بنیاد کے بغیر کوئی عمارت تعمیر کرنے کی کوشش کی جائے یا پہلی چودہ منزلیں تعمیر کیے بغیر پندرہویں منزل بنانے کی سعی کی جائے۔

ایچ ای سی کا بنیادی مسئلہ یہ ناقص تصور تھا کہ اعلیٰ تعلیم کا مطلب سائنس اور ٹیکنالوجی ہے اور یہ کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی منزل کا فوری حصول اس طرح ممکن ہے کہ نوجوان مردوں اور عورتوں کو تربیت کے لیے غیر ممالک میں بھیجا جائے اور کچھ تربیت دہندگان ملک میں درآمد کر لیے جائیں، اور پوری اسکیم اسی غلط تصور پر استوار تھی۔ ایک بار جب اعلیٰ تعلیم کو سائنس و ٹیکنالوجی تک محدود کر دیا گیا تو ریسرچ کی بھاری بھرکم گاڑی اسٹارٹ کرنا آسان ہو گیا، جسے اب ایک مقالہ ساز کارخانہ سمجھ لیا گیا تھا۔

☆ ڈائریکٹر سنٹر آف اسلام اینڈ سائنس، کینیڈا

یوں قوم بڑی سرعت سے یکے بعد دیگرے بڑی بڑی خبریں سننے لگی کہ کس طرح پاکستان سائنسی مقالوں کی پیداوار میں قوموں کی برادری میں اُبھر رہا ہے۔ چونکہ کیمیا میں بالخصوص قدرتی مصنوعات کے میدان میں یکسر بے معنی مقالے گھڑ نکالنا آسان ہے، ان کا گراف واقعی اوپر جاتا محسوس ہوتا تھا کیونکہ یہاں مقالوں کا متن جانچنے کی بجائے ان کا وزن کیا جاتا تھا۔

ایچ ای سی کو دیئے گئے اختیارات نے ملک میں تمام دیگر تعلیمی ادارے تباہ کر دیے۔ ہر چیز ایک ادارے میں مرتکز ہو گئی اور اس ادارے کو بس ایک شخص [ڈاکٹر عطاء الرحمن] چلا رہا تھا۔ تیز رفتار مطبوعاتی کاوشوں کے نئے ہیروز نے تمام معمر تجربہ کار پروفیسروں کو الگ تھلگ کر دیا، جنھوں نے اپنے اپنے شعبوں میں سنجیدہ ریسرچ کو ترقی دینے میں عمریں گزار دی تھیں۔ یہ بات نہیں تھی کہ وہ بہت زیادہ تعداد میں تھے، مگر جو بھی اس میدان میں تھا، اسے چھومنتر قسم کے حل ڈھونڈنے کے اس دور میں راستے سے ہٹا دیا گیا۔ جس طرح سیاسی میدان میں مشرف عقل کُل تھا، اسی طرح ایچ ای سی کا سربراہ اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں عقل و فہم کا مجسمہ تھا، حالانکہ اس کے پاس تعلیم یا کسی متعلقہ شعبے کی کوئی ڈگری نہ تھی۔

ایچ ای سی کی شکل میں اعلیٰ سطحی ڈرامے نے ناقص فہم پر مبنی منصوبوں کے خلاف اٹھنے والی تمام آوازیں نظر انداز کردیں۔ درآمدشدہ ''سکالرز'' نے جو پاکستانی یونیورسٹیوں میں بین الاقوامی مشاہروں پر لابٹھائے گئے تھے، ملک کا سارا تعلیمی ڈھانچا تباہ کردیا۔ ان نیلی آنکھوں والے چھوکروں کو عملاً شاہانہ سرخ قالین والا پروٹوکول دیا گیا اور ان درآمدی دماغوں نے پرانے کم تنخواہ دار عملے کی اس قدر حوصلہ شکنی کی کہ ان میں جو کچھ جذبہ تھا، وہ بھی جاتا رہا۔ چونکہ سائنس کے سوا ہر چیز غیر متعلق اور غیر ضروری سمجھی جانے لگی، لہٰذا وطن عزیز منظم طور پر ایسی صورتِ حال سے دوچار ہوا کہ وہ تھوڑی بہت تخلیقیت اور علمی توانائی بھی جاتی رہی جس سے یہ بہرہ ور تھا۔

پاکستان کے ۹۹ فیصد مسائل جن کے سائنسی وفنی حل درکار ہیں، انہیں تمام عملی مقاصد کے لیے کوئی سائنسی تحقیق درکار نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے متعلق سائنسی تحقیق پہلے ہی کھلی مطبوعات میں دستیاب ہے۔ وہ ایک فیصد جسے مقامی ریسرچ درکار ہے (خصوصاً دفاع کے شعبوں میں) اسے بس ٹیکنیشنز اور ٹیکنالوجسٹس کی ضرورت ہے، سائنسدانوں کی نہیں۔ وہ مٹھی بھر افراد جنہوں نے اعلیٰ تعلیم کو پروان چڑھانے کا تصور گھڑا، انہیں قومی مفادات کا کوئی فہم نہ تھا اور نہ وہ یہ جانتے تھے کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟

یہ ایک اعلیٰ سطحی ناٹک تھا اور اس کے لیے میڈیا کی مستقل سرپرستی اور اعداد وشمار کی شعبہ بازی درکار تھی۔ چونکہ اس ڈرامے کے لیے امداد فراہم کرنے والے عالمی ڈونر اداروں کے مقاصد پورے ہوتے تھے، لہٰذا ایسے پروگراموں کے لیے فراخ دلی سے سرمایہ فراہم کیا جاتا تھا۔ یوں ذاتی مفاد پر استوار اعداد وشمار بڑھا چڑھا کر انگریزی کے لبادے میں یوں بیان کیے جاتے تھے:

> ''۱۹۴۷ء سے لے کر ۲۰۰۲ء تک پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کی افسوس ناک کیفیت یہ رہی کہ اس عرصے میں ہماری تمام یونیورسٹیوں نے کل ۳۳۲۱ پی ایچ ڈی پیدا کیے جب کہ اگلے ۹ برسوں میں یعنی ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۱ء تک غیر معمولی طور پر ۴۰۰۰ پی ایچ ڈی پیدا کیے گئے ہیں۔''

لیکن جب آپ اگلا منطقی سوال پوچھتے ہیں: ان نئے پی ایچ ڈی حضرات نے ملک کو اس کے سنگین توانائی کے خسارے سے نکالنے کے لیے کیا کیا ہے؟ خراب فصلوں یا دوسرے شعبوں میں جہاں فوری سائنسی وفنی حل درکار ہیں، انہوں نے کیا تیر مارا ہے؟ تو اس کا کوئی جواب نہیں ملتا اور اگر کوئی ان مردوں اور عورتوں کے اصلی مقام ومرتبہ میں جھانک کر دیکھے جو اس فاسٹ ٹریک سکیم کے ذریعے پی ایچ ڈی کی ڈگری سے آراستہ ہوئے ہیں تو وہ اس ناگوار نتیجے تک پہنچتا ہے کہ ان کی بہت بڑی تعداد کا

پاکستان میں کوئی پیشہ وارانہ مستقبل نہیں۔آخر انہیں یہ ڈگریاں حاصل کرنے کے لیے ملک سے باہر کیوں بھیجا گیا جن کا کوئی مقصد ہی نہیں؟

کروڑوں روپے لائبریریوں کو''انقلاب آشنا'' کرنے پر صرف کر دیے گئے تا کہ''ایچ ای سی ڈیجیٹل لائبریری پروگرام'' کے ذریعے ۲۵,۰۰۰ بین الاقوامی جرائد اور ۶۰,۰۰۰ کتب تک مفت رسائی ہو سکے۔درست کہ مخصوص شعبوں میں چندسو پیشہ ورانہ جرائد شائع ہوتے ہیں جن کا آن لائن ممبر شپ کے ذریعے مطالعہ کیا جا سکتا ہے مگر جن سینکڑوں دیگر جرائد پر بھاری رقوم اڑا دیں، وہ تو پہلے ہی انٹرنیٹ پر کھلے اور مفت دستیاب تھے۔

''HEC Pakistan'' ایک ناٹک تھا جو ایک شخص کی طرف سے بدترین آمریت کے دور میں رچایا گیا۔وہ بددماغ شخص کسی کے آگے جوابدہ نہ تھا۔اس نے پاکستان کو ایک ایسی دلدل میں دھکیل دیا جس سے ابھی اسے باہر آنا ہے۔اس کی آمرانہ حکمرانی کے دُوررس نقصانات میں سے ایک نقصان وہ تھا جو ایچ ای سی پر مسلط ٹولے نے ہر سال قومی خزانے سے ٦ ارب روپے ایسے پروگراموں میں جھونک دیے جن سے بعض افراد کی انا کی تو تسکین ہوگئی مگر قوم کو کچھ حاصل نہ ہوا۔

تعلیم و تربیت　　　　　　　　**محسن فارانی**

غلبۂ انگریزی کے لیے افسر شاہی کی سازشیں

پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔اس کے قیام میں جو دو بنیادی عوامل کار فرما تھے، وہ تھے دینِ اسلام اور اُردو زبان۔ظاہر ہے اس نئے اور نو آزاد ملک کا نظامِ حکومت اور نظامِ تعلیم انہی دونوں بنیادوں پر استوار ہونا تھا۔اسی لیے بانیٔ پاکستان قائداعظم نے قیامِ پاکستان سے پہلے اور قیامِ پاکستان کے بعد بارہا علانیہ کہا تھا کہ ملکی نظام قرآن مجید اور اسلام کے اصولوں پر مبنی ہوگا۔علاوہ ازیں قائداعظم شعوری طور پر جانتے تھے کہ اس نظریاتی ملک میں ایک قومی زبان کا نفاذ ضروری ہے اور یہ کھلی حقیقت ہے کہ کوئی زبان اس وقت تک قومی اور سرکاری زبان نہیں بن سکتی جب تک وہ ذریعۂ تعلیم نہ ہو۔اسی لیے جب ملک کے مشرقی بازو میں بنگالی کو قومی زبان بنانے کی آوازیں اُٹھیں تو قائداعظم نے خرابیِ صحت کے باوجود ڈکوٹا طیارے میں طویل سفر کر کے ڈھاکہ میں اعلان کیا کہ 'پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی'۔

اس کے مطابق اردو کو جلد از جلد تعلیمی و سرکاری زبان بن جانا چاہیے تھا مگر عملاً ایسا نہ ہوسکا۔ مذکورہ اعلان کے چھ ماہ بعد قائداعظم وفات پا گئے جب کہ ان کے جانشین کمزور نظریاتی سوچ کے مالک تھے اور ملکی بیوروکریسی یعنی سول و فوجی افسر شاہی تو سراسر لارڈ میکالے کی معنوی اولاد تھی جس نے ۱۸۳۷ء میں حکومت کے وزیرِ ہند کی حیثیت سے انگریزی کو برطانوی ہند کی تعلیمی و دفتری زبان بنانے کا بل یہ کہہ کر پارلیمنٹ میں پیش کیا تھا کہ 'ہمیں اس وقت پوری پوری کوشش کرنی چاہیے کہ (ہندوستان میں) لوگوں کا ایسا طبقہ وجود میں لایا جائے جو خون اور رنگ میں ہندوستانی ہو مگر ذوق، آرا، اخلاق اور فکر میں انگریز ہو'۔

ملکی بیوروکریسی کی ذہنی تشکیل تمام تر لارڈ میکالے کی اسکیم کے تحت ہوئی تھی۔ قائداعظم کے بعد جلد ہی یہ افسر شاہی ملکی معاملات پر حاوی ہوگئی۔ ملک غلام محمد (تیسرے گورنر جنرل)، سکندر مرزا (پہلے صدرِ مملکت)، جنرل ایوب خان (پہلے پاکستانی مسلم آرمی چیف)، سید فدا حسین (چیف سیکرٹری)، ایم ایم احمد (قادیانی چیئرمین پلاننگ کمیشن)، قربان علی خاں (آئی جی پولیس)، محمد منیر (چیف جسٹس)، عزیز احمد (سیکرٹری دفاع)، محمد شعیب (ایوبی دور کے وزیر خزانہ)، زیڈ اے بخاری (ڈی جی ریڈیو پاکستان اور پہلے ڈائریکٹر جنرل پی ٹی وی)، جنرل یحییٰ خاں (دوسرے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر) سب عرف عام میں 'کالے انگریز' تھے جو پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو کمزور کرتے رہے۔ افسر شاہی نے سازش کے تحت آئین ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۲ء میں دو قومی زبانیں اردو اور بنگالی تو تسلیم کیں مگر عملاً انگریزی کو تعلیمی و دفتری زبان بنائے رکھا۔ ملکی سطح پر ایک قومی زبان ذریعہ تعلیم و دفتری زبان نہ ہونے کے باعث وطن عزیز کے مشرقی اور مغربی بازوؤں میں، جو ایک دوسرے سے ایک ہزار میل دور تھے، ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا نہ ہوسکی اور اہلِ بنگال ذہنی طور پر مغربی پاکستان سے دور ہوتے چلے گئے جب کہ وہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والی فوجی و سول افسر شاہی اور اس کے ہم نوا سیاست دان زیڈ اے بھٹو سے بہت بدگمان اور نالاں تھے۔ اس کا نتیجہ دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے دو ٹکڑے ہونے کی صورت میں نکلا۔

بنگلہ دیش کے آزاد ملک بنتے ہی وہاں بنگالی زبان کو تعلیمی و دفتری زبان بنا لیا گیا مگر بقیہ پاکستان میں بہ دستور انگریزی کا سکہ چلتا رہا۔ اگرچہ آئین ۱۹۷۳ء میں اردو کو بہ طور قومی زبان تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ پندرہ سال کے اندر اندر اسے دفتری و سرکاری زبان بنا لیا جائے گا مگر بدنیتی سے اس پر عمل درآمد کی نوبت نہیں آنے دی گئی۔ افسر شاہی نے عہد ایوبی (۶۹-۱۹۵۸ء) میں اردو کی ہیئت بدلنے کے لیے سازش کی تھی کہ اس کا عربی فارسی رسم الخط بدل کر لاطینی کر دیا جائے مگر اس وقت مولانا صلاح الدین احمد (وفات ۱۹۶۴ء) اور ڈاکٹر سید عبداللہ جیسی ہستیاں موجود تھیں جن کی شدید مخالفت کے باعث لاطینی رسم الخط کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ یہ ترکی زبان کے لاطینی رسم الخط کا شاخسانہ ہے کہ ترک وزیر خارجہ کا

اسلامی نام ترجمے میں 'اہمت داوت اوگلوُ' بن جاتا ہے، حالانکہ ان کا نام 'احمد داوٗد اوگلوُ' ہے۔ غنیمت ہے اردو اس کا یا پلٹ سے محفوظ رہی۔

اردو کے خلاف اپنے فرنگی آقاؤں کے ایما پر افسر شاہی کی سازشیں جاری رہیں۔ صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں ۱۹۷۹ء کی تعلیمی پالیسی ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر پریشان خٹک جیسے محبان اردو کی مشاورت سے وضع کی گئی تھی، جس میں یہ طے پایا تھا کہ ۱۹۸۹ء کے بعد ملک میں دسویں جماعت کا امتحان انگریزی میں نہیں ہوگا بلکہ تمام پرچے اردو یا علاقائی زبان میں تیار ہوں گے۔ یہ ایک بہت بڑا انقلابی فیصلہ تھا جو آئین ۱۹۷۳ء کے تقاضے کے عین مطابق تھا۔ اس کی پیروی میں انگلش میڈیم مشنری سکولوں نے بھی اپنے ہاں اردو میڈیم کی کلاسیں جاری کر دیں لیکن کالے انگریز کہاں نچلے بیٹھنے والے تھے۔ بعض انگلش میڈیم ادارے اس پالیسی کو ناکام بنانے کی کوشش میں رہے۔ ان میں طلبہ کو ایک درخواست تھما کر کہا جاتا کہ وہ اس پر والدین یا سرپرست سے دستخط کروا کر لائیں کہ ان کے بچوں کو اردو کے بجائے انگلش میڈیم میں تعلیم دی جائے۔ اگرچہ وفاقی وزیر تعلیم ڈاکٹر محمد افضل، وزیر خارجہ ڈاکٹر محبوب الحق، وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق اور خود صدرِ مملکت یقین دلاتے رہے کہ حکومت اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے عہد پر کاربند ہے مگر پھر غیر ملکی سفارتوں اور مشنری اداروں کا انگلش میڈیم جاری رکھنے کے لیے دباؤ اس قدر بڑھا کہ ۱۹۸۴ء میں وفاقی حکومت نے ایک ترمیمی حکم جاری کر دیا کہ جو ادارے غیر ملکی امتحانات کی تیاری کراتے ہیں، وہ انگلش میڈیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس ایک آرڈر نے پوری تعلیمی پالیسی اُلٹا دی۔ اینگلو سیکسن مغرب کی آلۂ کار افسر شاہی کی مراد بر آئی۔ اس کے بعد پورے ملک میں انگلش میڈیم سکول کھمبیوں کی طرح اُگ آئے۔

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل ۲۵۱ (۱) کے مطابق ۱۴/اگست ۱۹۸۸ء تک حکومت پاکستان کا فرض تھا کہ وہ انگریزی کی جگہ اُردو کو سرکاری زبان بنا دیتی لیکن یہ کام اردو ذریعہ تعلیم کے نفاذ کے بغیر ممکن نہیں تھا، اس لیے سازشیوں نے قومی زبان کا نفاذ روکنے کے لیے انگلش میڈیم جاری رکھنے کا فیصلہ کروالیا۔ دسمبر ۱۹۸۸ء میں بے نظیر حکومت برسر اقتدار آئی اور اس انگلش میڈیم بی بی نے مئی ۱۹۸۸ء میں پہلی جماعت سے انگریزی بطور لازمی مضمون پڑھانے کی منظوری دے دی۔ سندھ میں اس پر فوری عمل شروع ہوگیا، تاہم پنجاب میں اس کے پانچ سال بعد منظور وٹو اور پی پی پی کی مخلوط حکومت (۹۵-۱۹۹۳ء) نے پرائمری سکولوں میں انگریزی کو لازمی مضمون قرار دیا۔ دریں اثنا اکتوبر ۱۹۸۹ء میں چودھری احمد یار خاں علیگ سابق ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب نے سپریم کورٹ میں آئینی درخواست دائر

کی کہ اردو کو سرکاری، دفتری، عدالتی، ذریعہ تعلیم، مقابلے کے امتحانات میں ذریعۂ اظہار و ذریعہ گفتگو اور سرکاری گزٹ کی زبان بنا کر نفاذِ اردو کی تکمیل کی جائے۔ اگرچہ اس دوران میں آئین کے آرٹیکل ۲۵۱ کی مسلسل خلاف ورزی ہو رہی تھی مگر انگلش میڈیم عدالتِ عظمیٰ نے خاصی تاخیر کے بعد ۲۲ مئی ۱۹۹۰ء کو درخواست کا فیصلہ تو سنا دیا مگر ساتھ ہی فیصلہ نشر کرنے پر پابندی عائد کر دی۔ اردو پر اس عدالتی کرفیو کی مثال دنیا میں بھلا اور کہاں ملے گی؟

اب حکومت پنجاب نے ۲۰۰۹ء سے تین مرحلوں میں صوبے کے تمام سرکاری سکول جبراً انگلش میڈیم بنا دیے ہیں۔ یہ پاکستان کی نئی نسلوں کو اردو اور اسلام سے کاٹ ڈالنے کی صلیبی وصہیونی سازش ہے جس پر عمل درآمد میں 'خادمِ پنجاب' میاں شہباز شریف آلۂ کار ثابت ہوئے ہیں۔ یہ اردو یا پنجابی بولنے والے بچوں پر ظلمِ عظیم ہے۔ درحقیقت عربی کے بعد اسلامی تعلیمات کا سب سے بڑا ذخیرہ اردو میں ہے، لہٰذا اس خطے میں اردو اسلام دشمنوں کا سب سے بڑا ہدف ہے۔ محکمۂ تعلیم میں ایک برطانوی گورا خطیر مشاہرے پر لا بٹھایا گیا ہے اور وہ انگریزی کی عملداری مستحکم کرنے کے اس پروگرام کی نگرانی کر رہا ہے۔ ادھر صوبہ سرحد میں جرمنی سے درآمدہ اردو نصابی کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں جب کہ سندھ حکومت نے سکولوں میں چینی زبان پڑھانے کا افلاطونی حکم جاری کر دیا ہے۔ صدر ضیاء الحق کے دور سے مڈل سکولوں میں عربی لازمی اور تمام تعلیمی اداروں میں اسلامیات لازمی اور مطالعۂ پاکستان لازمی کے مضامین متعارف کرائے گئے تھے، لیکن مشرف، زرداری حکومت نے اسلامیات سے جہاد کی آیات خارج کرنے اور عربی اور مطالعۂ پاکستان کی لازمی حیثیت ختم کرنے کے قوم دشمن اقدامات کیے ہیں۔ اگرچہ محتسبِ پنجاب خالد محمود صاحب نے پرائمری و مڈل لیول کے ۵۰ ہزار طلبہ کے دستخطوں سے ایک درخواست پر محکمۂ تعلیم پنجاب کو حکم دیا ہے کہ وہ بچوں کا اردو میڈیم میں تعلیم حاصل کرنے کا حق بحال کریں، مگر جب تک حکومت پرائمری سکولوں کو انگلش میڈیم بنانے کا حکم واپس نہیں لیتی، تمام دینی وسیاسی جماعتوں اور محبت وطن تنظیموں پر لازم ہے کہ وہ اغیار کی سازش کو ناکام بنانے کے لیے متحد ہو کر دباؤ بڑھائیں تا کہ حکومت قومی مفادات کے صریحاً خلاف اس فیصلے کو کالعدم قرار دے دے۔

میڈیا کی کالی بھیڑیں

--- چوہدری نثار آج جو باتیں کر رہے ہیں یہ سراسر زیادتی ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ لفافہ جرنلزم

کس نے شروع کی، پیسے کی سیاست کا آغاز کس نے کیا؟ تو آپ انجام سے کیوں ڈرتے ہیں۔ حسین حقانی سے پہلے پہل کس نے کام لیا تھا۔ پھر اسے انہی لوگوں نے گلے سے لگایا جن کے خلاف اس نے اخباری مہم کی شرمساری کی انتہا کر دی تھی۔ اس سے پھر ابتدا کرائی گئی اور اس نے ابتدا میں انتہا ڈھونڈھ کر دکھا دی۔ آج ایسے صحافیوں کی تعداد کم نہیں ہے جو بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ ہم فلاں پارٹی اور فلاں سیاست دان کے کالم نگار ہیں، اینکر پرسن ہیں، فلاں ایجنسی سے ہمارا تعلق ہے، یہ بڑے شرم کا مقام ہے۔ میڈیا کے لیے بھی واضح طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ صرف طلعت حسین کا پروگرام ایسا تھا کہ جس میں جرأت و دیانت کی بات ہوئی اور کئی دوسرے اینکر پرسن اس سے لڑ پڑے، ورنہ یہاں تو ایسے اینکر پرسن (خاتون و حضرات) بھی ہیں جو اپنے تقریباً آدھے پروگرام امریکہ سے ریکارڈ کراتے ہیں اور اس کے واضح اظہار سے بھی نہیں گھبراتے۔ پاکستان کے لیے پروگرام امریکہ سے کیسے جا رہے ہیں۔ کائرہ صاحب کے ساتھ صدر پی ایف یو جے پرویز شوکت نے بھی مطالبہ کیا ہے کہ کالی بھیڑوں کو سامنے لایا جائے۔ ایسے سیاستدان اور صحافی سامنے لائے بھی گئے ہیں تو بھی کھل کر بات سامنے نہیں آئی۔ کالی بھیڑیں اگر بھیڑیئے بن گئے ہیں تو بھی کچھ نہیں ہوا۔ کالی بھیڑوں اور بھیڑیوں میں فرق نہیں رہا۔ (ڈاکٹر اجمل نیازی، نوائے وقت)

میڈیا **پروفیسر ملک محمد حسین**

ابلاغی دہشت گردی کے نتائج

قتل اور آبروریزی کے واقعات میں اضافہ

ٹی وی چینلز، اخبارات اور رسائل میں جنسی آبروریزی اور اس کے بعد بہیمانہ قتل کی وارداتوں کی خبریں روز افزوں ہیں۔ کم سن لڑکیوں اور لڑکوں کے ساتھ اس طرح کی جنسی زیادتیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ غریب گھرانوں، مزارعین، مزدوروں اور اسی طرح کے بے نوا خاندانوں کی نوجوان اور نیم نوجوان لڑکیوں کے ساتھ زور آوروں کی جنسی ہاتھا پائی اور اس کے بعد قتل کر کے لاشیں کھیتوں، نہروں اور جنگلوں میں پھینکنے کے واقعات بھی تشویش ناک حد تک بڑھ گئے ہیں۔ اس طرح کی جنسی دست درازیاں امیر اور متمول گھرانوں کی نوجوان لڑکیوں اور کم عمر لڑکوں کے ساتھ بھی ہوتی ہیں لیکن قتل کی نوبت اس لیے نہیں آتی کیونکہ ایسے واقعات محفوظ ماحول اور امیرانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ ہوتے ہیں اور انتہائی اقدام کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے مجرمانہ اور بہیمانہ واقعات میں کیوں اضافہ ہورہا ہے اور ان کی روک تھام (اگر کوشش کی بھی جاتی ہے) تو کیوں نہیں ہورہی؟ ہماری رائے میں اس کی بنیادی وجہ ابلاغ عامہ کی عریانیت اور فحاشی پر مبنی ثقافتی دہشت گردی ہے۔ ہم اسے ثقافتی دہشت گردی اس لیے کہہ رہے ہیں کیونکہ یہ سب کچھ ہمیں بھی اور نئی نسل کو زبردستی دکھایا جارہا ہے۔ آپ خبریں دیکھ رہے ہیں تو دو چار خبروں کے بیچ میں لمبے دورانیے کا ثقافتی دہشت گردی کا وقفہ آجائے گا جس میں اشتہاروں کے نام پر آپ کو عریانی، فحاشی اور جنسی اشتہا پیدا کرنے والے متعدد مناظر دکھائے جائیں گے۔ آپ مذہبی پروگرام دیکھ رہے ہوں یا کوئی سیاسی ٹاک شو ملاحظہ کررہے ہوں، بیچوں بیچ ہر قسم کا ثقافتی گند آپ کے حواس خمسہ کے ذریعے سے آپ کے ذہن میں انڈیل دیا جائے گا۔ یہ ثقافتی دہشت گردی کا عفریت اس قدر پھیل چکا ہے کہ بم دھماکوں اور ٹارگٹ کلنگ کے دوران گرتی لاشوں کے مناظر دکھاتے ہوئے وقفے کا اعلان ہوگا اور ٹی وی اناونسر یہ کہتے ہوئے Stay with us کہ اس کے بعد ہم آپ کو ہسپتال لیے چلیں گے جہاں ہمارا نمائندہ آپ کو یہ بتائے گا کہ اب تک کتنی لاشیں اور کتنے زخمی لائے جاچکے ہیں اور اس کے بعد وہی ننگے جسموں اور واہیات ڈائیلاگز پر مبنی کوئی گندا اشتہار آپ کی جنسی اشتہا بڑھانے کا سبب بن رہا ہوگا۔ صرف الیکٹرانک میڈیا ہی نہیں پرنٹ میڈیا بھی اس گندے کاروبار میں پیچھے نہیں رہ گیا۔ اخبارات و رسائل کے رنگین صفحات آپ کو فحاشی سے آلودہ کرتے ہوئے آپ کی بصیرت کو بھی سیم و تھور کا شکار کردیں گے۔ میگزین و رسائل میں چھپنے والی جنس زدہ کہانیاں اور افسانے اس پر مستزاد ہیں۔ یہ تو خیر ٹپ آف دی آئس برگ ہے جس کا ہم نے سطورِ بالا میں ذکر کیا ہے۔ انٹرنیٹ اور اسی طرح کے جدید ابلاغی ذرائع پر جو کچھ آرہا ہے اُس کے ذکر سے ہی اُبکایاں آنے لگتی ہیں۔ اب جب کہ یہ سب کچھ ہورہا ہے تو نوجوان تو نوجوان بوڑھے بھی شاید آپے سے باہر ہوجاتے ہوں گے۔ نوجوان لڑکوں اور نوخیز لڑکیوں کے ذہن جب جنسی اشتہا کی انتہا پر ہوں گے اور اس جنسی اشتہا کو پورا کرنے کے جائز راستے بھی بند ہوں گے یا زور آوروں کو کسی قسم کا ڈر خوف نہیں ہوگا تو وہی کچھ ہوگا جو کچھ ہورہا ہے۔ ہم نے شیخ سعدی کے قول کے مصداق کہ ''پتھر باندھ رکھے ہیں اور کُتے کھلے چھوڑ رکھے ہیں'' ایسا ماحول پیدا کردیا ہے کہ جنسی کتے کاٹنے کے لیے آزاد ہیں۔

عریاں اور فحش جنسی مناظر کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو نام نہاد لبرل خواتین و حضرات

عجیب منطق لے کر آتے ہیں کہ اس سے تو معاشرے میں گھٹن پیدا ہوتی ہے اور جب اُن کے کھلے ڈلے ماحول کے نتائج کی بات کی جاتی ہے تو فرماتے ہیں کہ بازاروں میں دکانوں کے شوکیسز میں سامان سجانے سے یہ کب ہوتا ہے کہ لوگ دل لبھاتے سامان پر ڈاکہ ڈال لیں۔ اسی طرح اگر عریانی، فحاشی اور بے حیائی کے مناظر میڈیا پر آتے ہیں یا عورتیں بن ٹھن کر نیم عریاں لباس میں گلیوں بازاروں پارکوں میں گھومتی ہیں تو جنسی اشتہا کے شکار نوجوانوں کو کیسے اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ دست درازی کریں۔ ٹھیک ہے اجازت تو نہیں دی جا سکتی اور اجازت دے بھی کون رہا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جنسی دست درازی اور جنسی قتلوں کی وارداتیں عام ہو رہی ہیں اور قانون سمیت قانون نافذ کرنے والے ادارے بے بس ہیں۔ معصوم بچیاں اور معصوم بچے درندگی کا شکار ہو رہے ہیں اور نام نہاد لبرل دانشور جنسی اور ثقافتی دہشت گردی کی حمایت کر رہے ہیں۔ جب تک میڈیا کو اسلامی حدود و قیود کا پابند نہیں بنایا جائے گا تب تک یہ جنسی جرائم قابو ہی نہیں آ سکتے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کُھلے ڈلے جنسی عریانی سے مزین ماحول کی حمایت میں کیا ہم اپنے معاشرے کی نوخیز کلیوں کو مسلنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ کیا اس ثقافتی دہشت گردی کا کوئی جواز ہے؟

اتحادِ امت　　　　ثاقب اکبر

اتحاد بین المسالک کے لیے عالمی کوششیں

امت اسلامیہ کی صفوں میں اتحاد کے لیے اور انتشار پسند قوتوں کی سازشیں ناکام بنانے کے لیے عالم اسلام میں وقتاً فوقتاً کوششیں جاری رہتی ہیں۔ کئی ایک قدآور مذہبی اور سیاسی شخصیات اور اداروں نے دلسوزی کے ساتھ امت کی اس سلسلے میں مختلف مواقع پر راہنمائی کی ہے۔ اس سلسلے میں ہم نمونے کے طور پر دو اقدامات کا ذکر کرتے ہیں:

اعلانِ عمان

اردن کے دارالحکومت عمان میں ۲۷-۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ / ۴-۶ جولائی ۲۰۰۵ء کو 'اسلام کی حقیقت اور معاصر معاشرے میں اس کا کردار' کے عنوان سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد

ہوئی، جس میں مذہبی عناصر کے درمیان اتحاد کے حوالے سے ممتاز علماء کرام کے ان فتاویٰ اور کانفرنس کی سفارشات کو بنیاد بنا کر کانفرنس نے 'اعلان عمان' کے نام سے ایک اعلامیہ جاری کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

و الصلاۃ و السلام علی سیدنا محمد و علی آلہ و سلم

یَآیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ (النساء:۱)

(لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا)۔

عزت مآب امام اکبر مکرم جناب شیخ الازہر کے فتویٰ، سماحۃ آیت اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی کے فتویٰ، دیار مصر کے مفتی اعظم کے فتویٰ، شیعان جعفریہ و زیدیہ کے قابل احترام مراجع کے فتاویٰ، سلطنت عمان کے مفتی عام عزت مآب کے فتویٰ، بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی (اسلامی کانفرنس تنظیم، جدہ، سعودی عرب) کے فتویٰ، ترکی سپریم کونسل برائے دینی امور کے فتویٰ، اردن کی سلطنت ہاشمیہ کے مفتی اعظم اور فتویٰ کمیٹی کے مفتیانِ کرام کے فتویٰ، عزت مآب جناب ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے فتویٰ کے مطابق، ہماری اس کانفرنس میں سلطنت ہاشمیہ اردن کے عزت مآب ملک عبداللہ ثانی بن حسین کے افتتاحی خطاب کے مطابق، خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے، ہمارے علم کے مطابق، اور ہماری اس کانفرنس میں پیش کیے گئے مقالات، لیکچرز اور مذاکرات کے مطابق۔

ہم زیر دستخطی درج ذیل بیان سے اتفاق کرتے اور اس کا اقرار کرتے ہیں:

۱۔ جو شخص اہل السنت والجماعت کے مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک، مذہب جعفری و زیدی، مذہب اباضی یا مذہب ظاہری کی اتباع کرے، وہ مسلمان ہے اور اس کی تکفیر جائز نہیں ہے۔ اس کا خون، اس کی عزت اور اس کا مال حرام ہے اور جناب شیخ الازہر کے فتویٰ کے مطابق اشعری عقیدہ رکھنے والوں، حقیقی تصوف سے شغف رکھنے والوں اور صحیح سلفی فکر رکھنے والوں میں سے بھی کسی کی تکفیر جائز نہیں ہے۔

جیسا کہ مسلمانوں کی کسی بھی ایسی جماعت کی تکفیر جائز نہیں ہے، جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور ارکان اسلام پر ایمان رکھتی ہو، ارکان اسلام کا احترام کرتی ہو اور دین کی جو باتیں بالضرورۃ معلوم ہیں، ان میں سے کسی کا انکار نہ کرتی ہو۔

۲۔ مختلف مذاہب کی متفق علیہ باتیں ان کی نسبت بدرجہا زیادہ ہیں، جن میں باہمی اختلاف

ہے۔مذکورہ بالا آٹھوں مذاہب اسلام کی اساسی مبادیات پر متفق ہیں۔یہ سب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ واحد واحد ہے،قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والا کلام ہے،سیدنا حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری انسانیت کے لیے نبی اور رسول ہیں اور یہ سارے مذاہب اسلام کے ارکان خمسہ شہادتیں، نماز، زکوٰۃ، رمضان کے روزوں اور بیت اللہ کے حج پر متفق ہیں۔ان مذاہب کا ارکان ایمان یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی بری تقدیر پر ایمان میں بھی اتفاق ہے۔مختلف مذاہب کے علماء میں اگر اختلاف ہے،تو وہ فروع میں ہے، اصول میں نہیں اور یہ اختلاف باعث رحمت ہے،جیسا کہ ایک قدیمی قول ہے کہ'رائے میں علماء کا اختلاف ایک اچھی بات ہے۔'

۳۔اسلام میں مذاہب کا اعتراف یعنی فتاویٰ میں ایک معین اسلوب کی پابندی کے ضمن میں کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان متعین شخصی صلاحیتوں کے بغیر فتویٰ دے،جن کا ہر مذہب نے تعین کیا ہے۔مذاہب کے اصولوں کی پابندی کے بغیر بھی فتویٰ دینا جائز نہیں اور نہ کسی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اجتہاد کا دعویٰ کرے اور کوئی نیا مذہب پیدا کرے یا ایسے مردود فتاویٰ کو ترجیح دے جو مسلمانوں کو شریعت کے قواعد، مستقل اصولوں اور مذاہب کے متفق علیہ امور سے خارج کر دیں۔

۴۔اعلانِ عمان کا، جو مبارک لیلۃ القدر ۱۴۲۵ھ کو جاری ہوا اور مسجد الہاشمیین میں پڑھ کر سنایا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ مذاہب اور ان کے اسالیب کی پابندی کی جائے، مذاہب کا اعتراف، ڈائیلاگ کی ضرورت پر زور اور باہمی ملاقاتیں اس اعتدال، میانہ روی، درگزر، رحمت اور دوسروں سے تبادلہ خیالات کی ضامن ہیں۔

۵۔ہم دعوت دیتے ہیں کہ مسلمان باہمی اختلاف ترک کر دیں۔ایک بات اور ایک موقف پر متحد و متفق ہو جائیں۔ایک دوسرے کا احترام کریں، قوموں اور حکومتوں کے تعلقات کو مضبوط کریں، اخوت و محبت کے ان تعلقات کو مستحکم کریں، جو انہیں الحب فی اللہ کی سلک مروارید میں منسلک کر دیں اور فتنہ اور دراندازی کے لیے کوئی راستہ نہ چھوڑ دیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات:۱۰)

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

۶۔ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے شرکاء، جواردن کی سلطنت ہاشمیہ کے دارالحکومت عمان میں اور مبارک مسجد اقصیٰ اور مقبوضہ فلسطینی علاقوں کے قریب جمع ہیں، اس امر کی ضرورت پر زور دیتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ جو قبلہ اولیٰ اور تیسرا حرم محترم ہے، کی حفاظت اور اسے پیش آنے والے خطرات اور مظالم کو دور کرنے کے لیے تمام کوششوں کو بروئے کار لایا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ غاصبانہ قبضہ ختم ہو اور مقامات مقدسہ کو آزاد کر دیا جائے۔ اسی طرح کانفرنس کے شرکاء سرزمین عراق میں اور دیگر مقامات مقدسہ کی حفاظت کی ضرورت پر بھی زور دیتے ہیں۔

۷۔ کانفرنس کے شرکاء نے عالم اسلام میں آزادی اور احترام رائے کے معانی کو گہرائی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے، والحمدللہ وحدہ۔

اعلامیۂ مکہ

اسلامی کانفرنس تنظیم اور مجمع فقہ اسلامی کی دعوت پر ۱۹؍اکتوبر ۲۰۰۶ء کو عراق کے ۵۰ ممتاز شیعہ سنی علماء مکہ میں اکٹھے ہوئے اور انہوں نے عراق کی پر تشدد اور خون ریز صورت حال پر غور وفکر کیا اور ایک اہم فتویٰ جاری کیا۔ اس تاریخی دستاویز پر اسلامی کانفرنس تنظیم کے سیکرٹری اکمل الدین احسان اوغلو، مجمع فقہ اسلامی کے سیکرٹری محمد حبیب بن خوجہ، عالمی مجلس برائے تقریب مذاہب اسلامی کے سیکرٹری آیت اللہ تسخیری اور علماء اسلام کی عالمی یونین کے سیکرٹری محمد سلیم العوا نے گواہ کی حیثیت سے دستخط کیے۔ یہ اعلامیہ دس نکات پر مشتمل ہے۔ ہم ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں:

مسلمان وہ ہے جو اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی گواہی دے۔ یہ بنیادی اصول شیعہ اور سنی دونوں پر بلا استثناء مساوی طور پر لاگو ہوتا ہے۔ ان دونوں مکاتب فکر کے مشترکات ان کے مختلفات سے کئی گناہ زیادہ ہیں۔ دونوں کے اختلافات کا تعلق فقط رائے اور تعبیر سے ہے۔ ان کے اختلافات کا تعلق ایمان یا ارکان اسلام سے نہیں ہے۔

مسلمانوں کی جان، مال، عزت اور شہرت قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں حرمت کی حامل ہے لہٰذا مسلمان مرد ہو یا عورت، شیعہ ہو یا سنی اُسے قتل کرنا، اُسے نقصان پہنچانا، اُس پر تشدد کرنا، اُس کے مال اور جائیداد پر حملہ کرنا، اسے بے گھر کرنا یا اُسے اغوا کرنا جائز نہیں۔

تمام عبادت خانے محترم ہیں، جن میں مساجد اور تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کے عبادت خانے شامل ہیں۔

شیعہ وسنی علماء کو چاہیے کہ اتحاد و یکجہتی کے اصولوں پر قائم رہیں۔ نیز وہ قرآنی آیات "والصلح خیر" اور "تعاونوا علی البر والتقوی" کی روشنی میں قومی اتفاق کے حصول کے لیے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لائیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ نفرت وفتنہ انگیز اقدامات سے پرہیز کریں۔ عراقی مسلمان ملک کی آزادی، اتحاد اور سالمیت کے تحفظ اور قومی امنگوں کو پورا کرنے کے لیے آپس میں متحد ہو جائیں اور ملک کی فوجی، اقتصادی اور سیاسی لحاظ سے تعمیر نو نیز عراق کی تہذیبی وثقافتی حیثیت کی بازیابی اور ملک سے بیرونی قبضے کے خاتمے کے لیے کمر ہمت کس لیں۔ (کتاب 'ملت کی شیرازبندی' سے استفادہ)

تزکیۂ نفس

مولانا عبدالقیوم حقانی

یقین کی برکتیں

راقم اپنی تقاریر میں اکثر حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کا واقعہ بیان کیا کرتا ہے۔ انہوں نے جب شدید گرمی کے موسم میں موسیٰ زئی شریف (ڈی آئی خان) سے سالکینِ طریقت کا قافلہ لے کر کوئٹہ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو ایک حاجت مند نے ان سے درخواست کی کہ حضرت! اللہ کے نام پر مجھے پانچ روپے چاہئیں۔ حضرت کی جیب کی ساری متاعِ سفر پانچ روپے تھے، وہ سب کے سب سائل کو دے دیئے اور خود اللہ کی بارگاہ میں صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر پانچ سو روپے کی درخواست دے دی کہ تیرے راستے میں مَیں نے پانچ روپے دے دیے ہیں۔ طلبہ اور سالکین، فقراء و مساکین کے لیے پانچ سو روپے مطلوب ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پانچ روپے، پانچ ہزار روپے ہوا کرتے تھے اور پانچ سو کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ پڑاؤ کے بعد جب دوسری منزل کے لیے روانگی ہوئی اور وہاں پڑاؤ ہوا تو جیب میں کچھ بھی نہ تھا۔

نہ لنگر کا خرچہ، نہ حیوانات کا چارہ، نہ خورد و نوش کے لیے رقم۔ حلقے لگوا لیے، ذکر، تلاوت، مراقبہ اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ تین چار روز کے فاقوں کے بعد مریدوں اور سالکین کے دل میں بھی آیا کہ حضرت نے کیسے اندھا توکل کیا ہے۔ دو روپے، روپیہ، اٹھنی، چونی دے دیتے۔ تب بھی سائل کا کام چل جاتا۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ پہلے اونٹ کا پاؤں باندھو، پھر توکل کرو۔ حضرت دو یا تین یا کم و بیش روپے رکھ لیتے، پاؤں بندھ جاتا، بقیہ رقم توکل کر کے دے دیتے مگر یہاں تو مکمل ترکِ اسباب اور مسبب الاسباب کی ذات پر توکّل کیا گیا ہے۔

تیسرے روز دور سے کوئی بزرگ آئے اور انہوں نے چار سو روپے اپنے بھیجنے والے صاحب کی طرف سے حضرت کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ حضرت نے کہا میں نہیں لیتا، چار سو روپے میرے لیے نہیں ہیں۔ مہمان نے کہا واللہ، باللہ، تاللہ آپ کے لیے ہیں۔ حضرت نے فرمایا چار سو روپے میرے لیے نہیں ہیں۔ مریدوں نے سنا تو پریشان ہو گئے۔ مہمان نے اصرار کیا، حضرت نے انکار پر اصرار کیا تو سالکین اور طالبین کی عقیدت و محبت میں فرق آنے لگا۔ حضرت نے فرمایا اگر مجھے اپنے مریدین کے نورِ ایمان کے چھن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کبھی یہ راز نہ بتاتا۔ دراصل میں نے کوئٹہ روانگی کے وقت پانچ روپے اللہ کے نام پر دیئے تھے اور اللہ سے پانچ سو کا سوال کیا تھا۔ حضور اقدسؐ نے فرمایا ہے: ادعوا اللہ وانتم مؤمنین، یعنی اللہ سے اس طرح مانگو کہ اس کی ذات پر تمہارا یقین ہو۔ میں نے اسی یقین سے پانچ سو روپے مانگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے پانچ سو روپے دیں گے۔ چار سو روپے میرے لیے نہیں ہیں۔ اس لیے واپس کر رہا ہوں۔ مہمان نے جیب میں ہاتھ ڈالا، سو روپیہ مزید نکالا۔ چار سو کے ساتھ ملا کر پانچ سو روپے مکمل کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔ ''حضور! خدارا معاف کر دو، بھیجنے والے نے پانچ سو روپے مکمل دیے تھے مگر سو روپیہ مَیں نے چرا لیا تھا''۔

میرے ''رفیقِ عزیز'' نے بارہا یہ واقعہ مجھ سے سنا ہوگا، جس کی وجہ سے ایک حقیقت ان کے دل میں ترازو ہو گئی۔ اسلام آباد میں ایک صاحب سے ملاقات تھی۔ موصوف نے ''رفیقِ عزیز'' کو بھی ایک ہزار روپیہ عنایت فرمایا۔ واپسی پر ''رفیقِ عزیز'' نے کہا استاد جی! میں نے اپنے اللہ سے پانچ ہزار مانگے ہیں کہ مجھ پر پانچ ہزار روپے کا قرض ہے۔ اس سے قبل بھی کئی بار وہ یہ بات مجھ سے کہہ چکے تھے کہ میں پانچ ہزار روپے کا مقروض ہوں اور میں نے اللہ تعالیٰ ہی سے پانچ ہزار روپے مانگے ہیں۔

میں نے عرض کیا! ناشکری نہ کرو، جو مل گیا، سو مل گیا۔ یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے، کہنے لگے آپ کی بات اپنی جگہ درست، ہزار روپیہ بھی میری ضرورت ہے۔ اللہ کی عنایت ہے مگر میں نے تو پانچ ہزار روپے

مانگے ہیں۔ مجھے اللہ پاک پانچ ہزار روپے دے گا۔

میں نے اس بات کو ایک حکایت ولطیفہ بنا کر احباب سے، دوستوں سے اور ''رفیقِ عزیز'' کے بھائیوں سے کئی بار کہا کہ دیکھو تو سہی، مفت میں ہزار روپیہ مل گیا ہے مگر یہ بجائے شکر کے کفرانِ نعمت کر رہا ہے اور اللہ سے پانچ ہزار مانگ رہا ہے۔

تیسرے روز ایک اور صاحب کا فون آیا اور کہا میری یہ امانت فلاں فلاں تک پہنچا دو اور پانچ ہزار روپے گل رحمن کو دے دو۔ میں نے اسی وقت پانچ ہزار روپے ''رفیقِ عزیز'' کو پکڑا دیے اور کہا تم نے جتنا مانگا تھا رب نے اتنا ہی پہنچا دیا۔

بتانا یہ چاہتا ہوں کہ ربّ کی عنایات، علماء، اولیاء، صلحاء اور خاصانِ خدا کے ساتھ ہی خاص نہیں ہیں، فقراء، غرباء، خدام اور ادنیٰ کارکن بھی جب یقین بنا لیتے ہیں تو ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو اولیاء سے کیا جاتا ہے۔

''رفیقِ عزیز'' نے یقین بنا لیا، حدیث پر ایمان لے آئے۔ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کا واقعہ مشعلِ راہ تھا، ان کی نقل کی تو رب نے ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ فرمایا جو دوست محمد قندہاریؒ کے ساتھ کیا تھا۔ (مولانا حقانی کی کتاب ''بنیاد کا پتھر'' سے استفادہ)

اسلام اور مغربی تہذیب ڈاکٹر محمود احمد غازی

مسلم معاشرے پر سیکولرزم کے اثرات

مسلم معاشرے میں اسلام اور مغربیت کی کشمکش

پچھلی ڈیڑھ صدی میں مسلم معاشرے میں تعلیم اور تمدن وثقافت کی کیفیت بھی رو بہ زوال رہی ہے۔ تمدن اور ثقافت دراصل تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ معاشرے میں جو سطح تعلیم کی ہوگی وہی سطح تہذیب و تمدن کی ہوگی۔ یقیناً تہذیبی وتمدنی ترقی میں مادی وسائل کی اہمیت ہوتی ہے لیکن مادی وسائل کی حیثیت ثانوی ہے۔ اوّلین حیثیت تہذیب وتمدن کے باب میں تعلیم اور افکار کو حاصل ہوتی ہے۔ تبدیلی جو بھی پیدا ہوتی ہے وہ سب سے پہلے لوگوں کے دل ودماغ میں پیدا ہوتی ہے۔ جہانِ تازہ کی نمود افکارِ تازہ سے ہوتی ہے، سنگ وخشت سے نہیں۔ اس لیے جیسے جیسے مغرب سے نئے افکار آتے گئے وہ تعلیم وتمدن پر بھی اثر انداز ہوتے گئے اور عامۃ الناس کے افکار کو بھی انہوں نے متاثر کیا۔

دوسری طرف تعلیم کا جو عمومی نظام تھا اور جو ابھی تک علماء کرام کے ہاتھ میں تھا، اس میں کسی تبدیلی اور ترمیم کی ضرورت علماء کرام نے محسوس نہیں کی۔ ابھی تک قدیم اور از کار رفتہ یونانی منطق اور فلسفہ ہی نظام تعلیم کی جان اور مان سمجھا جاتا تھا۔ ان موضوعات کے بارے میں بھی متاخرین کی کتابیں اور ان کے حواشی اور شرحوں اور خلاصوں پر ہی علم وفن کا سارا دارومدار چلا آتا تھا۔ اس قدیم منطق اور فلسفے کے بارے میں ہر صاحب علم رطب اللسان نظر آتا تھا۔ وہ منطق اور فلسفہ جو یونان سے چلا آ رہا تھا، جس کی بنیاد پر نہ سائنس کی ترقی ہوسکتی تھی، نہ تعلیم کی ترقی ہوسکتی تھی، نہ بقیہ اجتماعی اور انسانی علوم وفنون ترقی پاسکتے تھے۔ جس کو اہل یورپ نے طویل عرصہ ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ وہاں سائنس اور فلسفہ نئے نئے انداز میں کام کر رہا تھا۔ سائنسی ترقیات نے نئے نئے نمونے اور کامیابیوں کی مثالیں قائم کر دی تھیں۔ اس سے استفادہ کرنے کے لیے دنیائے اسلام نے کوئی قدم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ اس دور میں یعنی دورِ زوال کے آخری زمانہ میں قدیم منطق، قدیم فلسفہ، اور قدیم طبیعیات کے نام پر جو سرمایہ چلا آ رہا تھا وہ مسلمانوں میں جوں کا توں جاری رہا۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں جو کتابیں لکھی گئیں ان میں سے بڑی تعداد کا تعلق اسی فکری بیابان اور علمی ویرانے سے تھا جو فلسفہ کے نام سے مسلمانوں میں جاری تھا۔ دینی درسگاہوں میں یہ بحث قاہرہ میں بھی ہو رہی تھی، استنبول میں بھی ہو رہی تھی اور ہندوستان میں بھی ہو رہی تھی کہ زمین ساکن ہے اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے اور زمین مدار کائنات ہے اور کائنات کے تمام سیارے بشمول سورج اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ کسی غلط فہمی کے نتیجے میں اس کو قرآن پاک کا منشاء بھی بعض لوگوں نے سمجھ لیا اور یوں یہ بات غلط طور پر عقیدے کا حصہ بھی بن گئی۔ بعض لوگوں کی نظر میں یہ سب امور دین کا حصہ تھے۔ اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ قیادت اور راہنمائی کے منصب سے علمائے دین اور فقہائے امت وقتاً فوقتاً اور آہستہ آہستہ ہٹتے گئے اور عملاً قیادت اور رہنمائی کا منصب اس طبقے کے ہاتھ میں آتا گیا جو مغربی افکار سے متاثر تھا، اور مغربی تعلیم کے نتیجے میں تیار ہوا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ دنیائے اسلام گزشتہ دوسو سال سے ایک ایسے شدید معرکے سے دوچار ہے جس میں ایک طرف عامۃ الناس یعنی مسلمانوں کی وہ غالب ترین اکثریت ہے، جو اسلام پر کاربند ہے، شریعت پر عمل پیرا ہے، جزوی طور پر شریعت کے احکام کی پابند ہے اور جس کے افکار اور نظریات بڑی حد تک مسلمانوں کی روایات کے غماز ہیں نیز جس کی تمنائیں اور آرزوئیں ہر جگہ مشترک ہیں اور جو اسلامی تہذیب کے احیاء کا ایک خاص تصور مستقبل کے حوالے سے رکھتے ہیں۔ یہ طبقہ ایک طرف ہے۔ دوسری طرف حکمران اور بااثر طبقہ ہے جس کی بڑی تعداد نہ صرف مغربی تصورات رکھتی ہے بلکہ مغربی تصورات کو فروغ دینے میں دن بدن کوشاں ہے۔ یہ حکمران اور بااثر اقلیت زندگی کے جملہ معاملات کو عموماً اہل مغرب کے نقطۂ نظر سے دیکھتی ہے۔ اس کے نزدیک علم وہ ہے جو مغرب میں ہے۔ تعلیم وہ ہے جو مغربی جامعات میں ہے۔ تہذیب و

تمدن وہ ہے جو دنیا کے مغربی ممالک میں ہے۔اس طبقے کے نزدیک دنیائے اسلام کے مستقبل کا دارومدار اس پر ہے کہ مشرق کی ہر قدیم روایت کو ختم کر کے مغرب کے تمام تصورات کو جوں کا توں قبول کر لیا جائے۔مصطفی کمال نے یہی نسخہ آزمایا، بورقیبہ نے بھی یہی نسخہ آزمانا چاہا، البانیہ میں یہی نسخہ آزمایا گیا، دنیائے اسلام کے متعدد ملکوں میں اس نسخے پر عمل درآمد ہوا لیکن نتیجہ سوائے اس کشمکش کو شدید تر بنانے کے اور کچھ نہیں نکلا۔عامۃ الناس کی غالب ترین اکثریت نے اس نسخہ کو قبول نہیں کیا۔حکمرانوں نے عامۃ الناس کے ذہن اور مزاج کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔یوں یہ کشمکش وقت کے ساتھ تیز سے تیز تر ہوتی چلی جارہی ہے۔

سیکولرزم کیا ہے؟

یہ دو طبقے جب سے الگ الگ وجود میں آئے ہیں، ان کے درمیان خلیج روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور وسیع سے وسیع ہوتی چلی جارہی ہے، اس وقت سے دنیائے اسلام پر سیکولرازم کا غلبہ بھی بڑھتا چلا جارہا ہے۔سیکولرازم یہ ہے کہ دینی و مذہبی تعلیمات کو اجتماعی زندگی سے نکال دیا جائے۔قانون، سیاست، معیشت اور معاشرت کا مذہبی تعلیم اور دینی رہنمائی سے کچھ تعلق نہ ہو۔یہ تصور اہل مغرب میں آج سے چار ساڑھے چار سو سال پہلے پیدا ہوا۔کیوں پیدا ہوا؟ اس پر دنیائے اسلام میں کسی نے غور نہیں کیا۔پاکستان میں بھی غور نہیں ہوا۔پاکستان کا حکمران طبقہ بھی اس مسئلے کو سمجھنا نہیں چاہتا۔علامہ اقبال نے جس خطبے میں پاکستان کا تصور پیش کیا تھا۔اسی خطبے میں یہ بحث بھی کی تھی کہ مغرب میں اصلاح مذہب اور سیکولرازم کا یہ تصور کیوں پیدا ہوا؟ اور دنیائے اسلام میں یہ کیوں پیدا نہیں ہونا چاہیے۔غالباً علامہ اقبال یہ سمجھ رہے تھے کہ آئندہ جب وہ ریاست وجود میں آئے گی جس کی وہ دعوت دے رہے ہیں تو اس ریاست میں یہ سوالات پیدا ہوں گے۔اس لیے اپنی زندگی کے اس انتہائی اہم خطبہ میں پہلے انہوں نے ان سوالات کا جواب دیا۔اس کے بعد ایک الگ ریاست کی تجویز پر گفتگو کی۔

سیکولرازم دنیائے اسلام میں سب سے پہلے ترکی میں آیا۔ترکی میں زمین اس کے لیے سازگار تھی۔چنانچہ بہت آسانی سے اسلامی قوانین کو ایک ایک کر کے منسوخ کیا گیا۔مصطفی کمال نے سب سے پہلے اسلامی تعلیمی ادارے بند کیے، دینی تربیت کے ادارے ختم کیے۔اوقاف کو سرکاری ملکیت میں لے کر ختم کر دیا اور ایک ایک کر کے ان تمام تہذیبی مظاہر کا نام ونشان مٹا دینے کی کوشش کی جو ترکی کی اسلامی حیثیت کو نمایاں کرتے تھے۔جب ترکی میں سیکولرازم کے اثرات بڑھنا شروع ہوئے اور یہ پہلی جنگ عظیم سے بہت پہلے شروع ہو گیا تھا۔تنظیمات کے زمانے سے شروع ہو گیا تھا۔اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ ترک قومیت کا تصور بھی نمایاں ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دینی تعلیم کو سیاست اور معیشت سے، حکومت اور قانون کے ایوانوں سے نکالا جائے گا تو امت مسلمہ کا وہ تصور جو مختلف نسلوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے

والے مسلمانوں کو یکجا کرتا ہے، وہ آپ سے آپ کمزور پڑ جائے گا۔ جیسے جیسے سیکولر نظریات کو فروغ ہوتا جائے گا، ملت اسلامیہ کا نقطۂ جامعہ ختم ہوتا جائے گا۔ وہ نقطۂ جامعہ جس کی بنیاد پر امت مسلمہ کی وحدت قائم ہے۔

امت مسلمہ کیا ہے؟ امت مسلمہ ایک دینی پیغام کی علمبردار وہ بین الانسانی جماعت ہے جو اسلام کے پیغام پر ایمان بھی رکھتی ہو اور عمل بھی کرتی ہو۔ اگر دین کی وہ حیثیت ختم کر دی جائے جو معاشرہ اور اجتماع کو جامعیت فراہم کرتی ہے تو امت مسلمہ کا تصور آپ سے آپ ختم ہو جائے گا۔ جب امت مسلمہ کا تصور ترکی میں کمزور پڑا تو وہ نقطۂ جامعہ ختم ہو گیا، جس نے خلافت عثمانیہ کے باشندوں کو متحد کر رکھا تھا۔ اب ایک نئے نقطۂ جامعہ کی ضرورت پیش آئی۔ آخر ایک نقطۂ جامعہ کی ضرورت تو تھی۔ وہ نقطۂ جامعہ ترکی نیشنل ازم کے ذریعے فراہم کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ انیسویں صدی کے وسط سے ایسے ادیب اور شاعر ترکی میں پیدا ہونے شروع ہو گئے، جو ترک نیشنل ازم کے علمبردار تھے۔ ضیاء گوکلپ، مشہور شاعر جس کے علامہ اقبال نے بھی حوالے دیے ہیں، ترکی نیشنل ازم کے فکری مؤسسین میں سے مانا جاتا ہے۔ اس کے ہاں ترک قومیت کی یہ لے بہت بلند آہنگ ہے۔ ضیاء نے ان تمام ترک مفکرین کے پیغام کو اپنے کلام میں پوری طرح سمویا ہے جو اس سے قبل ذرا دھیمے سروں میں ترک نیشنل ازم کی بات کرتے تھے۔ اور جنھوں نے ترک نیشنل ازم کے فروغ میں اس سے پہلے حصہ لیا تھا۔ (جاری ہے)

('محاضرات شریعت' کے آخری لیکچر سے ماخوذ)

دعوت و اصلاح		پروفیسر ملک محمد حسین

نظریہ سازش

پاکستانی معاشرے کا ایک بڑا مغالطہ

کہا جاتا ہے کہ مسلم اُمہ فرقہ واریت کا شکار ہے خاص طور پر برِصغیر پاک و ہند مسلم فرقہ واریت کا گڑھ ہے۔ وجہ یہودیوں اور مسلم دشمن قوتوں کی سازش ہے۔ مسلمان ہر جگہ ایک دوسرے کے خلاف بر سرِ پیکار ہیں اور بھائی، بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ وجہ اس کی مغربی استعمار خصوصاً امریکہ کی سازش ہے۔ مسلم علماءِ کرام عجیب عجیب تشریحات اور مآخذ کا سہارا لے کر اپنے اپنے فرقے کی دکان چمکاتے ہیں۔ وجہ اس کی یہودی اور اسرائیلی روایات کا اسلامی علوم میں در آنا ہے اور ظاہر ہے یہ یہودی سازش ہے۔

مسلمان معاشروں کے اندر عجیب وغریب رسوم و رواج جڑ پکڑ رہے ہیں جو زیادہ تر عیسائی اور ہندو معاشروں کا حصہ ہوتے ہیں۔ یہ کرسمس کی طرز پر مذہبی جلوس اور ریلیاں ایک طرح کی نصرانی سازش ہی تو ہے۔ مسلم معاشروں میں ٹی وی چینلز کے ذریعے بڑھتی پھیلتی فحاشی اور بے حیائی کی وباء مغربی استعمار خصوصاً صیہونی لابی کی سازش نہیں تو اور کیا ہے؟ تعلیم کے شعبے میں سیکولر، لبرل اور کمرشل رجحانات امریکہ اور ورلڈ بنک کی سازش ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی اور اس کی وجہ سے جنسی بے راہ روی مغرب کے زیرِ اثر چلنے والے اداروں اور این جی اوز کی سازش ہے تاکہ مسلم معاشروں خصوصاً پاکستانی معاشرے میں جنسی انحراف، بے حیائی اور زنا کو عام کر دیا جائے۔ عورت کے حقوق اور عورت کی آزادی پر زور دیا جا رہا ہے اور پاکستان کے ہر شعبے میں عورتوں کو آگے لایا جا رہا ہے اور یہ سارا کام ہم سے ایک سازش کے تحت کرایا جا رہا ہے تاکہ پاکستانی معاشرہ اندر سے کھوکھلا ہو کر تباہ ہو جائے۔ پاکستان میں بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ ایک سازش کے تحت بڑھائی جا رہی ہے تاکہ پاکستان کی صنعت اور معیشت تباہ ہو جائے۔ پاکستان میں سازش کے تحت کرپشن اور بدانتظامی کو فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ ملک ایک ناکام ریاست میں تبدیل ہو کر ختم ہو جائے۔ ہماری حکومت ایک سازش کے تحت ریاستی ادارے تباہ کر رہی ہے تاکہ یہ امریکہ اور مغربی دنیا کے دیگر ممالک کی چراگاہ بن جائے۔ ایک سازش کے تحت اسلامی قوتوں کو دبایا جا رہا ہے تاکہ مغرب زدہ لابی مضبوط ہو۔ ایجنسیاں ایک سازش کے تحت ملک میں افراتفری پیدا کر رہی ہیں اور اسٹیبلشمنٹ ایک سازش کے تحت سیاستدانوں کو بدنام کر رہی ہے تاکہ اس کی بالادستی قائم رہے اور اب ایک عجیب وغریب بات کہ سپریم کورٹ ایک سازش کے تحت عدل وانصاف کا بول بالا کرنا چاہتی ہے تاکہ فلاں فلاں پارٹی کو نقصان پہنچایا جا سکے۔

سازش تھیوری کی یہ داستان اتنی لمبی ہے کہ ہم بیان کرتے جائیں اور یہ کبھی ختم نہ ہو لیکن ہم بھی سازش تھیوری کی لامتناہی زنجیر کی ایک کڑی بننا چاہتے ہیں اور وہ یوں کہ ''یہ ایک بڑی گہری اور تباہ کن سازش ہے کہ ہم اپنی ہر کمزوری، اپنی ہر کوتاہی، اپنی ہر بداعمالی اور اپنی ہر خودغرضی پر دشمنوں کی سازش کا خول چڑھا کر ہر حماقت اور اپنی ہر برائی سے بری الذمہ ہو کر شانتی اور اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں کہ اس ساری خرابی میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے''۔ ہمارے خیال میں اصل سازش یہی ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ ہمارا اپنا کیا دھرا ہے۔ سازش تھیوری کا سہارا لے کر مسلم معاشرے کی ہر کمزوری اور ہر برائی سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دے کر ہم ایک ایسے فکری مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں جو ہمیں عمل سے عاری اور برائی سے نکلنے کی اُمنگ سے تہی دامن کر دیتا ہے۔

ذرا سوچیے کہ فرقہ واریت کا باعث بننے والے ہمارے بڑے بڑے جید" علماءِ کرام" اگر

یہودیوں اور مسلم دشمن قوتوں کی سازش کا شکار ہیں تو قصور کس کا ہے؟ کیا انہیں اللہ نے اتنی بصیرت اور ایمان کی روشنی نہیں دی کہ اس سازش کا شکار نہ ہوں۔ مغربی استعمار خصوصاً امریکہ کی سازش کے تحت مسلمان ہر جگہ ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار ہیں اور بھائی، بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے تو کیا ہم اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ محض امریکہ اور مسلم دشمنوں کی سازش کے تحت یہ گھناؤنا کام کر رہے ہیں۔ کیا ہم روبوٹ ہیں کہ امریکہ اور اسلام دشمن طاقتیں چابی بھر دیتی ہیں اور ہم اپنے ہی بھائی بندوں کے خلاف خون خرابے پر اُتر آتے ہیں؟ گویا ہم یہ گھناؤنا جرم خود نہیں کر رہے یہ ہم سے کروایا جا رہا ہے۔ کیا عجیب منطق ہے جو ہم اپنا بدترین گناہ چھپانے کے لیے بیان کر رہے ہیں۔ منبر رسول پر بیٹھ کر ہمارے "متقی اور متدین علماء کرام" قرآن و حدیث کی من مانی تشریحات اور ضعیف احادیث و روایات کا سہارا لے کر دین اسلام کا چہرہ بگاڑتے ہیں اور اپنے مخالف گروہوں پر کیچڑ اچھال کر دینِ اسلام کو بدنام کرتے ہیں تو کیا یہ یہودی اور اسرائیلی سازش ہوتی ہے؟ اور خاکم بدہن جو نام نہاد علماءِ کرام یہود و نصاریٰ کی سازشوں کا چارہ بنتے ہیں بالکل معصوم عن الخطا ہیں۔ یہ حضرات اگر اتنے ہی احمق اور بے دماغ ہیں اور سازشوں کی آسان چراگاہ ہیں تو پھر غصہ اسرائیلی اور یہودی لابی پر نکالنے کا کیا فائدہ؟ تعلیم کے شعبے میں سیکولر، لبرل اور کمرشل رجحانات ترقی پذیر ہیں اور یہ امریکہ اور ورلڈ بنک کی سازش ہے تو ’اسلامی ذہن‘ کے لوگوں کے ہزاروں سکول، بیسیوں کالجز اور درجن بھر یونیورسٹیاں کس خوشی میں اس سازش کا حصہ بنی ہوئی ہیں؟ حکومت اور حکومت کے تحت چلنے والے تعلیمی ادارے تو بُرے ہیں، تاجرانہ ذہن کے سیکولر لوگوں کے تعلیمی ادارے بھلے اس سازش کا شکار ہوں تو ہوں لیکن نام نہاد اسلامسٹوں کو تو اس گھن چکر کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ حکومت اور سیکولر ذہن کے تعلیمی ادارے کر رہے ہیں وہی کچھ ہم اسلام پسند اسلامی بورڈ لگا کر زیادہ زور و شور سے کر رہے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ امریکی، مغربی سازش کا نام لے کر ہم اپنے ضمیر کو مطمئن کر لیتے ہیں۔ ہم نے بڑے "متقی اور متدین" لوگوں کے تعلیمی اداروں میں دیکھا ہے کہ مخلوط تعلیم ہے۔ غیر ملکی نصاب پڑھایا جا رہا ہے۔ ماحول پر مغربیت اور انگریزیت چھائی ہوئی ہے۔ جب پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیا؟ تو فرماتے ہیں کہ کیا کریں مجبوری ہے۔ تو بھائی اگر آپ کی مجبوری ہے تو آپ کو دوسروں کی مجبوری کیوں نظر نہیں آتی اور اگر آپ کی کمرشل مجبوری ہے تو سازش کہاں سے آ گئی؟

میڈیا بے حیائی، فحاشی اور بے راہ روی پھیلا رہا ہے۔ درست ہے لیکن وہ ٹی وی چینلز جو بعض "متقی اور متدین" افراد کی ملکیت ہیں وہ بھی تو اس کارِ بد میں کسی سے پیچھے نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ یہ سازش نہیں لالچ اور خود غرضی اس کارِ بد کی بنیادی وجہ ہے۔ بات کریں تو وہی وجہ سامنے آتی ہے کہ کیا کریں مجبوری ہے۔ اگر ٹی وی پروگراموں کو اسلامی حدود و قیود کا پابند کریں گے تو دیکھے گا کون؟ اور اگر کوئی نہیں دیکھے گا

تو اشتہار کون دے گا جو آمدنی کا بڑا ذریعہ ہیں۔ یہ سب کچھ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سب کچھ سازش تھیوری کا شاخسانہ قرار دے کر سب کچھ خود ہی کیے جا رہے ہیں اور احساسِ جرم سے بھی بچے ہوئے ہیں۔ ہم جب تک اپنی نالائقیوں، اپنی بداعمالیوں اور اپنے اداروں کی غلط کاریوں کو سازش تھیوری کے کھاتے میں ڈالتے رہیں گے کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔ ہمیں، ہمارے علماء کرام اور ہمارے راہنماؤں کو بڑی جرات کے ساتھ اپنی حماقتوں کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہوگی کہ غلطی تسلیم کیے بغیر کوئی غلطی ٹھیک نہیں ہو سکتی۔ دوسروں کو الزام دینے کی بجائے اپنے احوال پر خود احتسابی کے ساتھ نظر کرنا ہوگی۔ کم از کم محب وطن اسلامی قوتیں جب تک پوری جرات اور بے غرضی کے ساتھ بداعمالوں کی تقلید سے باز نہیں آتیں اور اپنی بداعمالیوں کو مجبوری کا نام دے کر اس فکری مغالطے سے جان نہیں چھڑاتیں، کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ ہمیں پوری ہمت اور تندہی سے اس حمام میں جس میں ہمارے سمیت سب ننگے ہیں باہر نکلنا ہوگا پھر شاید ہمارے مطالبے، ہمارا احتجاج اور ہماری قراردادیں کوئی اثر پیدا کریں۔

البرہان

نظریۂ سازش کی تین جہتیں ہیں: ایک یہ کہ جو کچھ عالم اسلام میں ہو رہا ہے سب کچھ دشمنوں کی سازش ہے لہٰذا ہمیں خود کو بدلنے کی ضرورت نہیں، ہم صحیح ہیں۔ یہ غلط اپروچ ہے۔ دوسری جہت یہ ہے کہ سب کچھ ہمارا کیا دھرا ہے، دشمنوں کی کوئی سازش نہیں لہٰذا اپنی اصلاح کرو اور دشمنوں کی سازشوں کا واویلا اور ان کی مخالفت بند کرو۔ ہمارے نزدیک یہ بھی غلط ہے۔ تیسری جہت یہ ہے کہ دشمن نے 'سازش تھیوری' کو ridicule کر دیا ہے۔ وہ سازشیں کر بھی رہا ہے لیکن 'سازش تھیوری' کی اس نے ایسی بھد اڑا دی ہے کہ اب اگر کوئی سازش کا لفظ زبان پر لائے تو گویا علمی لحاظ سے یہ ایک بے وزن اور غیر سنجیدہ بات ہے، محض الزام تراشی ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بھی غلط ہے۔

متوازن نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہم اپنی خرابیوں، کمزوریوں اور غلطیوں کے خود ہی ذمہ دار ہیں اور ان کے زیادہ تر اسباب داخلی ہیں جن کی بنیادی وجہ ہماری اپنے نظریۂ حیات سے عدم وابستگی اور اس کے اصول و اقدار اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا ہے۔ تاہم ہماری ذلت و رسوائی کے خارجی اسباب بھی ہیں اور ہمارا دشمن بھی ہمارا بدخواہ ہے اور وہ ہمیں گمراہ کرنے اور نقصان پہنچانے کی سازشیں کرتا رہتا ہے لہٰذا اسلام سے تمسک اور دشمنوں کی سازشوں کا ادراک دونوں ضروری ہیں بلکہ دیکھا جائے تو دشمن کی ان سازشوں کو نہ سمجھنا اور اس کا آلۂ کار بن جانا یہ بھی تو ہماری ہی ایک کمزوری ہے اور ہم ہی اس کے ذمہ دار ہیں لہٰذا ہمیں بھرپور جذبے اور مومنانہ فراست سے کام لے کر اپنی کمزوریوں اور ان کے داخلی اور خارجی

اسباب وعِلل کو سمجھنا چاہیے اور انہیں دور کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

عید کے بعد

جب گئی مسجد و منبر پہ نظر عید کے بعد
ایسے مجروح ہوئے قلب ونظر عید کے بعد

در و دیوارِ مسجد نے کیا ہم سے سوال
جو نمازی تھے گئے اب وہ کدھر عید کے بعد

جتنا رمضاں میں کمایا تھا گنوایا آخر
ہائے چھوڑی ہی نہیں کوئی کسر عید کے بعد

معتکف تھے جو مسجد کے ستونوں کی طرح
ان میں آتا ہی نہیں کوئی نظر عید کے بعد

وہ تو شیطان ہی آزاد ہوا ہے لیکن
تُو مسلماں ہے تو ایسا تو نہ کر عید کے بعد

تبصرۂ کتب　　مدیر

'بنیاد کا پتھر'

از مولانا عبدالقیوم حقانی

تنظیموں، جماعتوں، تحریکوں اور اداروں کے اصل روحِ رواں کارکن ہوتے ہیں، جن کی حیثیت 'بنیاد کا پتھر' کی ہوتی ہے۔ کارکن کی محنت، لگن، اعلیٰ کارکردگی اور مخلصانہ کردار سے انقلاب واقع ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک مخلص، جفاکش، نظریاتی، جواں سال اور وفادار کارکن کی دلچسپ کارکردگی اور حیرت انگیز کردار اور ہمہ جہتی، فکر انگیز، سبق آموز تصنیف، تاریخ وتذکرہ اور علم وادب کا حسین مرقع۔

بلاشبہ مولانا حقانی نے اصاغر نوازی کی مثال قائم کرتے ہوئے اپنے ''رفیق عزیز'' گل رحمن کو زندہ

جاوید کردار بنا دیا ہے۔ رفیق عزیز کا یہ کردار تنظیموں، جماعتوں، اداروں کے کارکنوں کے لیے موجب تقلید ہے ہی، اس تحریر سے کئی اور طرح کا استفادہ بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً

☆ اس سے مولانا حقانی کی اپنی دینی سوچ، عزائم اور جدوجہد کا حال بھی واضح ہوتا ہے اور یہ ایک طرح کی خودنوشت (سوانح) بن گئی ہے۔

☆ آدمی اس سے یہ بھی سیکھتا ہے کہ کامیابی کے دینوی تقاضے بھی اپنی جگہ اہم ہیں لیکن اس دنیا میں کامیابی کا حقیقی انحصار انسان کی اپنی جدوجہد پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور نصرت پر ہوتا ہے۔ جب وہ نصرت فرماتا ہے تو وسائل اور ذرائع بھی پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

☆ اگرچہ یہ کوئی فارمولا نہیں لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کو اپنی محنت، نیکی، وفاداری اور استقامت کا اجر دنیا ہی میں مل جاتا ہے یعنی آخرت میں اجر کی توقع تو ہے ہی لیکن دنیا میں اس کا نقد فائدہ بھی مل جاتا ہے۔

۲۷۲ صفحات کی یہ کتاب لاہور، کراچی، راولپنڈی کے متعدد معروف دینی اشاعتی اداروں کے علاوہ القاسم اکیڈیمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد (نوشہرہ) سے بھی مل سکتی ہے۔ کتاب پر قیمت درج نہیں۔

ڈاکٹر محمد امین کی بعض اہم تالیفات

اردو

۱۔ ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل
۲۔ ہمارا دینی نظامِ تعلیم
۳۔ تعلیمی ادارے اور کردار سازی
۴۔ مسلم نشأۃ ثانیہ۔ اساس اور لائحہ عمل
۵۔ اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش
۶۔ اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی نفسیات کے ساتھ تقابلی مطالعہ)
۷۔ حقیقتِ تزکیۂ نفس
۸۔ ترکِ رذائل (اصلاح اعمال واخلاق کا حصہ اول)

۹۔ اسلام اور پاکستان
۱۰۔ اسلامی انقلاب۔ مفہوم، تقاضے اور حکمت عملی
۱۱۔ عصر حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون
۱۲۔ مقالاتِ امین (دو جلدیں)
۱۳۔ مطالعۂ قرآن و حدیث (برائے جماعت اول تا پنجم)

بروشرز
۱۴۔ پرائیویٹ سکولوں کے نام ایک اہم پیغام
۱۵۔ طلبہ کی اسلامی تربیت۔ کیوں اور کیسے؟
۱۶۔ انگلش میڈیم۔ فائدے اور نقصانات
۱۷۔ دینی مدارس کے نام۔ ایک اہم پیغام
۱۸۔ مسلمانوں کی ترقی کا واحد راستہ
۱۹۔ حقیقتِ تصوف

انگریزی
۲۰۔ Riyadh-us Saliheen (2 Vols)
۲۱۔ Noble Quran, Part 1
۲۲۔ Islamization of Laws in Pakistan

عربی
۲۳۔ السلطة التشريعية۔ دراسة مقارنة